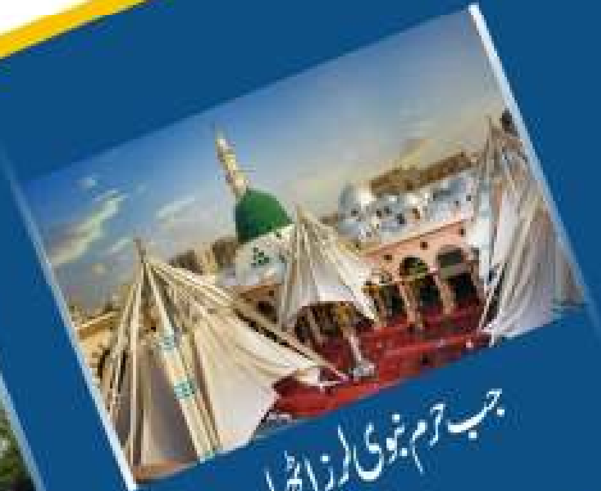
اگست
AUG-2016

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ

پیغام شریعت

دہلی



جب حرم نبوی لرز اٹھا



حیات صدرالشریعہ

بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ کی ایک نایاب تحریر

• عمان اعلامیہ ایک تنقیدی جائزہ
• ایک نشست میں تین طلاق کی شرعی حیثیت
• اقامت بیٹھ کر سننے کی تحقیق

₹ 15/-

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 01 Issue:11 AUGUST-2016

ادارہ ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کی طرف سے

طلبہ کے لیے شاندار تحریری انعامی مقابلہ

دینی اداروں کے طلبہ کے اندر تحریری صلاحیت کو فروغ دینے کے لیے ادارہ پیغام شریعت دہلی یہ اعلان کر کے خوشی محسوس کرتا ہے کہ ان کے لیے ایک تحریری انعامی مقابلہ کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ لہٰذا طلبہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ درج ذیل عناوین میں سے کسی ایک عنوان پر لکھیں، اور اپنے اندر تحریر و قلم کا جوہر پیدا کریں۔ اس مقابلے میں حصہ لینے والوں کو تین گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی درجات۔ درمیانی درجات۔ منتہی درجات۔ ہر گروپ میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو ایک ایک ہزار نقد اور ترتیب وار فتاویٰ رضویہ (۳۰ جلدیں)، فتاویٰ شارح بخاری، اور بہار شریعت مع فتاویٰ فیض الرسول بطور انعام دیے جائیں گے۔ اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے پچیس طلبہ کے نام رسالہ پیغام شریعت ایک سال کے لیے مفت جاری کیا جائے گا۔ اور تمام شرکا کو اعزازی سند سے نوازا جائے گا۔ نیز ان میں سے منتخب مضامین پیغام شریعت کے قریبی شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

عناوین برائے تحریری مقابلہ

ابتدائی درجات: (اولی، ثانیہ، ثالثہ)	درمیانی درجات: (رابعہ، خامسہ، سادسہ)	منتہی درجات: (سابعہ، ثامنہ، تخصص)
• سیرت رسول میں عفو و درگزر کے واقعات	• عہد مرتضوی اور بدمذہبوں پر داروگیر	• تفسیر آیات میں شان نزول کی حیثیت
• عہد صدیقی کے اہم کارنامے	• بدعت کا مفہوم، اقسام اور اطلاقات	• فقہی تحقیقات اور ترقی یافتہ سائنس
• عہد فاروقی اور اسلامی فتوحات	• واقعہ کربلا کے محرکات اور نتائج	• دہشت گردی کا رد اقوال رسول کی روشنی میں
• عہد عثمانی کے تجدیدی کارنامے	• دینی علوم اور کمپیوٹر ٹکنالوجی	• تعصب اور تصلب کا جوہری فرق
• میرا مادر علمی۔ تعارف اور خدمات	• میری پسندیدہ شخصیت۔ تعارف اور خدمات	• صوفیائے متقدمین سے کسی ایک کا تعارف

ضروری ہدایات

☆ صفحات کی تعداد فل اسکیپ پر کم از تین صفحات۔ زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ ☆ کہیں سے مواد اخذ کریں تو من و عن نقل نہ کریں، بلکہ انھیں اپنے الفاظ اور اسلوب میں ڈھالیں، اور حوالہ میں یوں لکھیں (مفہوماً ملخصاً) ☆ کہیں سے کوئی مختصر اقتباس نقل کریں تو اس کا حوالہ ضرور دیں ورنہ سرقہ قرار دیا جائے گا۔

☆ املا اور زبان و بیان پر خصوصی توجہ دیں

نوٹ: تمام مضمون نگار اپنے ادارے کے کسی استاذ سے اپنے نام و جماعت کی توثیق مع دستخط و موبائل نمبر درج کرالیں اور اپنے مضامین اس پتے پر ارسال کریں۔

Paighame Shariat Monthly
House 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali, Matial Mahal Jama Masjid Delhi-6
بذریعہ ای میل بھیجنے کے لیے مضمون اردو میں کمپوز شدہ ہونا چاہیے۔ ای میل کا پتہ: Paighameshariat@gmail.com

مضمون جمع کرنے کی آخری تاریخ: ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۶ء

مزید تفصیلات کے لیے بذریعہ ای میل یا فون رابطہ کریں۔ یا فیس بک پر وزٹ کریں

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

فہرست مضامین

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

جب حرم نبوی لرز اٹھا

مسجد نبوی شریف کے قریب ناکام خودکش حملے کا نشانہ یا تو گنبد خضریٰ تھا یا مہمانانِ رسول

تحریر: مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

حرم کی زمین اور قدم رکھنے کا چلنا　ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

کعبۂ عاشقاں، قبلۂ دردمنداں مدینہ منورہ گزشتہ چودہ سو سینتالیس سال سے پوری دنیا کی توجہات کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جہاں دس سال تک وحی الٰہی کا نزول ہوتا رہا، جہاں سے اقوام عالم کی تقدیر کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس بارگاہ کے آداب کا ربانی اہتمام یہ کہ ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام ملائکہ کی جماعت بارگاہ اقدس میں سلامی کو حاضری دیتی ہے۔ جہاں جنت کی کیاریاں رشک فردوس بریں ہیں۔ جہاں فردوس رحمت ہمہ دم اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ جہاں قرآن بلند آواز سے بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا، وہاں گزشتہ ۴ر جولائی کو جو خودکش دھماکہ ہوا وہ تاریخ اسلام کا دل دہلا دینے والا واقعہ ہے۔ یوں تو مشرق وسطی میں بم دھماکے کچھ نئی بات نہیں رہ گئے۔ پاکستان، افغانستان، شام، فلسطین، عراق، وغیرہ میں بم دھماکے روز مرہ زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔ لیکن جو کچھ حرم نبوی کے قریب ہوا وہ پوری مسلم امہ کو خون کے آنسو رلاتا ہے۔

ہم اسلامی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو لگتا تھا کہ شہادت عثمانی جیسا واقعہ جو اسلام کا پہلا فتنہ ہے اب Repeat نہیں ہوگا۔ یہ مصری بلوائیوں کا وہ فتنہ تھا جس نے ۳۵ ہجری میں مرکز اسلام میں سیندھ لگائی۔ اس کے بعد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہوئے تو مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تا کہ اب اس قسم کے واقعات سے حرم نبوی کی حرمتیں پامال نہ ہوں۔ لیکن ابھی ۶۴ ہجری کا واقعہ حرہ باقی تھا جب سانحہ کربلا کے ردعمل میں مدینے والوں نے یزید کی بیعت توڑ دی تو اقتدار کے نشے میں چور یزیدیت ایک طوفان بلاخیر بن کر مدینے کے افق پر نمودار ہوئی اور ارض طیب کی پاکیزہ فضاؤں کو قتل وخونریزی اور شر وفساد سے مسموم کر چھوڑا۔ مسلم بن عقبہ کی قیادت میں یزیدی فوج نے سیکڑوں صحابہ کرام اور تابعین عظام شہید کر دیے۔ لیکن اس کے بعد یزید کا جو حشر ہوا وہ آنے والی اشرافیہ کے لیے درس عبرت بن گیا، پھر اس کے کسی وارث نے مدینے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اس یزیدی فتنے کو فرو ہوئے قریب چودہ سو سال ہونے کو آئے ، ہمیں نہیں معلوم اس طویل عرصے میں کبھی کوئی ایسا سانحہ مدینہ منورہ میں ہوا۔ ہاں ایسا چند بار ہوا کہ مسجد نبوی شریف میں حادثاتی طور پر آگ لگ گئی جس سے عمارت کو نقصان ہوا۔ ایک طویل عرصے تک حرم نبوی ترک سلطنت کے زیر انتظام رہا۔ پھر ایک طوفان نجد کے افق سے اٹھا جب آل سعود کے جیالوں نے حرمین شریفین پر چڑھائی کی اور تلوار کے زور پر دونوں مقدس شہر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اس وقت بھی ترک قوم نے احترام وعقیدت کی قدروں کو پامال نہ ہونے دیا اور اس شہر کو خوں ریزی سے بچانے کے لیے خود ہی ہتھیار ڈال دیے۔

ہر عہد اور ہر خطے میں علمائے کرام نے قوم کو بارگاہ رسالت کے آداب کا وہ سبق از بر کرایا ہے کہ کسی گستاخ طبیعت کو بھی جرأت نہیں ہوتی کہ اس بارگاہ میں پہنچ کر کوئی نازیبا حرکت کرے۔ لیکن اب عالمی منظر نامہ تبدیل ہو چکا ہے۔

عرب اسرائیل اختلافات کے تناظر میں اور مغربی ممالک کی خارجہ پالیسی کی کوکھ سے دہشت گردی کا جو بچہ پیدا ہوا اس نے جوان ہو کر

اور بچے پیدا کیے۔ اب یہ بچے بھی جوان ہو چکے ہیں اور دنیا کا امن غارت کرنے میں جٹ گئے ہیں۔ اور جن لوگوں نے نظریۂ ضرورت کے تحت ان بچوں کی پیٹھ تھپتھپائی تھی آج یہ بچے ان کا ماتھا ٹھنکا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سانپ کے انڈے سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں سانپ حفظ ماتقدم کے تحت انھیں خود ہی اپنا لقمہ بنالیتا ہے۔ عالمی قوتوں کو اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ جس سانپ کو وہ دوسروں کو ڈسنے کے لیے دودھ پلاتے ہیں، کہیں اژدہا بن کر خود ان کے لیے آفت جان نہ بن جائے۔ لیکن ایسا ہی ہوا۔ دہشت گردی نے مشرق وسطی میں جنم لیا، پورے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور اب ایسے ممالک بھی اس کے نشانے سے باہر نہیں جنھیں ناز ہے کہ انھوں نے ہوم لینڈ سیکیوریٹی یا بارڈر سیکیوریٹی سسٹم کے نام سے غیر مرئی سد سکندری بنالی ہے۔ اب دہشت گردی سے نہ یورپ محفوظ ہے نہ امریکہ نہ آسٹریلیا نہ کوئی اور خطہ۔ ہمارے علمانے تو دہشت گردوں کے بارے میں پہلے اعلان کر دیا تھا کہ ان کا اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ اس وجہ سے ان کے لیے اپنے دل میں کہیں نہ کہیں نرم گوشہ رکھتے تھے کہ چلو آخر اسلام کے نام لیوا ہیں اب جب کہ دہشت گردی کا یہ عفریت مقدس مقامات پر دستک دے رہا ہے ان کی تاویلات کا پٹارہ بھی اب خالی خالی نظر آتا ہے۔

ان انسانی بموں کی اپنی دنیا ہے، اپنا نظام ہے، اپنا مذہب ہے، ان کی اپنی جنت ہے جس کا سفر ان کے لیے بہت آسان ہے، بس ایک بٹن دبائی اور اپنی جنت میں پہنچ گئے۔ انھیں کسی کی ناموس کا خیال ہے نہ کسی مقام کے تقدس کا کوئی پاس ولحاظ۔

بم دھماکے خواہ کسی عبادت گاہ میں ہوں یا بازار میں، پیرس میں ہوں یا لندن میں، بنگلہ دیش کے کیفے میں ہوں یا جدہ کے ساحل پر، سب کے سب انسانیت کے خلاف جرائم ہیں۔ لیکن ۳؍جولائی کو حرم نبوی کے قریب جو خودکش دھماکہ ہوا وہ عاشقانِ رسول کے لیے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ کبھی یہ وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھا کہ کوئی کلمہ گو حرمین طیبین میں بم دھماکا کر سکتا ہے۔

تادم تحریر ایسی کوئی خبر نہیں کہ کسی دہشت گرد تنظیم نے اس خودکش بم دھماکے کی ذمہ داری قبول کی ہو۔ ایک اندازے کے مطابق داعش نے سعودی سیکیوریٹی کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے، تاکہ اپنے خلاف سعودی حکومت کے ردعمل کو روک سکے۔ لیکن سمجھ نہیں آتی کہ اس کے لیے اسے حرم نبوی تک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سعودی سیکیورٹی فورسز سعودیہ عربیہ میں ہر طرف بڑی تعداد میں تعینات ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی عجیب بات ہے کہ داعش نے اپنا نام "دولت اسلامیہ" رکھا ہے، اور اس کا ہاتھ محض مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے۔ صرف اس ماہِ رمضان میں اس نے قریب پانچ سو مسلمانوں کو شہید کیا ہے۔ انھوں نے قتل کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کیے۔ شام اور عراق میں کتنے بزرگوں کے مزارات کو مسمار کیا ہے صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے نامہ اعمال میں مسلمانوں کا قتل، تاریخی مقامات وآثار کو مٹانا، مسجدوں اور درگاہوں پر حملہ کرنا، مشاہد اور مزارات کو اکھاڑ پھینکنے جیسے کارنامے ہیں۔ ان سے کیا بعید ہے؟۔ ویسے بھی گنبد خضریٰ پر کٹر وہابیت کی ایک عرصے سے نظر ہے۔ لیکن اپنے ناپاک عزائم کے لیے وقت کا انتخاب بھی بہت کچھ بتاتا ہے۔

جن لوگوں نے رمضان شریف کے موسم میں مدینہ منورہ کی زیارت کی ہے انھیں وہاں رمضان کی بہاروں کا خوب اندازہ ہوگا۔ ایک تو بارگاہِ رسالت اور گنبد خضریٰ کے انوار، دوسرے مسجد شریف کی عالی شان عمارت۔ تیسرے اہل مدینہ کی بے مثال ضیافت۔ مدینہ منورہ اور قرب وجوار کے رہنے والے سرشام حاضر ہوکر روزہ داروں کو افطار کرانے کے لیے مسجد شریف کے فرش پر اپنا اپنا دسترخوان لگاتے ہیں۔ اس پر انواع واقسام کی نعمتیں سجادیتے ہیں، اور ایسے دسترخوان سے وسیع وعریض مسجد پوری بھر جاتی ہے، اور اہل مدینہ دنیا بھر سے آئے زائرین کو بلا بلا کر اپنے سُفرے پر بیٹھاتے ہیں، بڑی محبت سے افطار کراتے ہیں۔ رمضان کی ہر شام کئی لاکھ لوگ مسجد نبوی شریف کے سُفروں پر افطار کرتے ہیں۔

وہ خودکش مسجد شریف کے اسی مجمع کا رخ کر رہا تھا، یہ سوچ کر دل کانپ اٹھتا ہے کہ اگر اسے اندر جانے کا موقع مل جاتا تو کیا قیامت برپا ہوتی۔ بہر کیف یہ بھی اللہ رب العزت کی قدرت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف ہے کہ ان کے دامن میں بیٹھنے والوں کو ان کی پناہ ملی اور غلط ارادے سے آنے والا صحن میں داخل بھی نہ ہوسکا اور خود کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

لیکن اس کے اس گھناؤنے ارادے سے یہ اندازہ ہوگیا کہ دہشت گردوں سے کچھ بھی بعید نہیں۔ وہ کسی کو بھی نشانہ بنا سکتے ہیں اور کسی مقام پر بھی فساد برپا کر سکتے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو یہ واقعہ دہشت گروں کے لیے ذلت آمیز اور سبق آموز ثابت ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔(صحیح البخاری ۱/۲۵۲) نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ مدینہ حرم ہے عیر پہاڑی سے لے کر ثور پہاڑی تک۔ جو اس میں فساد کرے یا کسی فسادی کو پناہ دے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، روز قیامت اس کی کوئی مالی اور بدنی عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔(صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۷۵۵)

اس کا صاف مطلب ہے کہ جو مدینہ منورہ میں شر و فساد پھیلانے کی کوشش کرے وہ رب ذوالجلال کی لعنتوں کو دعوت دے رہا ہے، اس نے اپنے ذاتی وجود کے تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اور اپنے نظریاتی وجود کو بھی ربانی غضب کے نشانے پر لا کھڑا کیا۔

یہ حملہ سعودی سیکیوریٹی فورسز پر نہیں بلکہ دراصل نبی کی عزت و ناموس پر ہے۔ یہ حملہ امہات المومنین، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے تقدس پر ہے۔ یہ مسلمانان عالم کے دل و دماغ پر حملہ ہے۔ بلکہ یہ حملہ عالم اسلام کی شہ رگ پر ہے۔ رمضان کی انتیسویں شب یعنی آخری شب قدر تھی جب کہ قرب و جوار سے نسبتاً سب سے زیادہ لوگ عبادت کے لیے مسجد نبوی شریف میں جمع ہوتے ہیں۔ اور پوری دنیا سے مسلمان حاضری دیتے ہیں۔ مسجد نبوی میں اس وقت موجود حضرات کا بیان ہے کہ جس وقت یہ دھماکہ ہوا زمین اس طرح دہل گئی تھی جیسے کوئی بہت بڑی عمارت یکا یک زمین بوس ہوگئی ہو۔ اس سے باقی دشمنان اسلام آخر کیا سبق لیں گے؟ مسلمانوں کا ہلکا پھلکا ردعمل دیکھ کر ان کے دل میں کیا کچھ گندے خیالات نہ آئیں گے؟

سعودی اتھارٹی کی طرف سے اس انسانی بم کی شناخت ایک ۲۶ سالہ سعودی شہری کے طور پر کی گئی ہے۔ جو بھی ہو یہ دراصل اس نظریاتی جنگ کا ایک نتیجہ ہے جو اصل اسلام اور اس کے وہابی ایڈیشن کے درمیان ایک عرصہ سے جاری ہے۔ مذہبی وہابیت نے سیاسی وہابیت کو جنم دیا، دونوں نے سعودیہ میں تو مل بانٹ کر اپنے حصے بخرے کر لیے، لیکن باقی اسلامی دنیا کا کیا ہوگا اس کی کچھ فکر نہ ہوئی۔ سب کو معلوم ہے کہ عالم اسلام کے مسائل سے متعلق ہمیشہ خاموش تماشائی بنے رہے۔ اب جب کہ داعش نے علاقائی بقا اور سالمیت کو چیلنج دیا ہے تو انھیں بھی دن میں تارے نظر آنے لگے، باہمی نظریاتی کشمکش شروع ہوگئی۔ اور دوست ممالک سے استمداد کیا جانے لگا۔

لیکن مسلمانوں کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے۔ اس حملے نے مسلمانوں کے جذباتِ عقیدت کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ کہاں جائیں؟ کس سے احتجاج کریں؟ کس کو سزا دیں؟ محافظ اور لٹیرے میں فرق مشکل ہوگیا ہے۔ کوئی غارت گر امن پسند کے روپ میں آئے تو کس سے فریاد کریں کس سے منصفی چاہیں؟ وہ زمانہ گیا جب شاعر نے کہا تھا: پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔ اب تو کہنا پڑے گا: ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے۔ لیکن حرم کی پاسبانی صرف سجدوں سے نہیں ہوگی۔ سیاسی وہابیت کا نیا چہرہ دہشت گرد کی حیثیت سے جو سامنے آیا ہے اس کا رد اور احتجاج اگر چہ ضروری ہے مگر کافی نہیں۔ بلکہ اس کا حل عالمی سطح پر نئی نسل کی فکری تربیت ہے، جس سلسلے میں کرنے کے سارے کام ابھی باقی ہیں۔

Faizanulmustafa@yahoo.com

درس حدیث

پانچویں قسط

احادیث کریمہ۔مشکلات اور حل

از:مولانا کوثر امام قادری

کیا ہجرت اب بھی جائز ہے؟؟؟

ہجرت کے سلسلے میں دو قسم کی حدیثیں ہیں اور اچھی مقدار میں ہیں، بعض میں اس بات کی وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں جب کہ بعض دوسری میں یہ ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہ ہوگی۔حدیث: **عن عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یوم فتح مکۃ لاھجرۃ بعدالفتح ولکن جھاد و نیۃ واذا استنفرتم فانفروا**،ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے آؤ۔(بخاری، جلد اول، ص۴۳۳)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔جب کہ حسب ذیل حدیث اس کے خلاف ہے:

عن معاویۃ رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقول لاتنقطع الھجرۃ حتی تنقطع التوبۃ.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہوگی۔(سنن ابوداؤد، جلد اول، ص۳۳٦)

حل اشکال:

اس باب میں اور بھی متعدد حدیثیں ہیں جن میں تعارض نظر آتا ہے سب کو سامنے رکھتے ہوئے محدث اسلام حضرت امام بدرالدین عینی نے دفع تعارض کر کے اشکال دور فرمانے کی کوشش کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

''جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی روایات کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔''

علامہ خطابی فرماتے ہیں:

''البتہ اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، اب یہ فرضیت منسوخ ہوگئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

علامہ ابن اثیر نے کہا:

''ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل وعیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہوگئی۔

ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقے میں آجائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح شدت نہیں ہے۔

کفار کے علاقے سے مسلمانوں کے علاقوں کی طرف ہجرت منسوخ ہوگئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔''

جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت وآبرو کے بربادی کا خطرہ ہو، جہاں اسلامی شعائر، فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کی تہذیب، کلچر اور ماحول کے برے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہیں اور

زمین کے جس حصہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور وہ آزادی کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔(عمدۃ القاری ۱/۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے'' کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ مطلقا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے، خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر لہذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں رہنے والوں کے متعلق تین اقوال ہیں۔

اول: جو شخص دارالکفر میں دین کا اظہار نہ کرسکتا ہو، اور واجبات کو ادا نہ کرسکتا ہو اور وہ دارالکفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

دوم: مسلمان دارالکفر میں فرائض و واجبات کو آزادی کے ساتھ ادا کرسکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دارالکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تا کہ دارالاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دارالکفر میں کفار کی بدعہدی اور فتنہ سے محفوظ رہیں، اور کافروں کی تہذیب وثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بدچلن اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوشش کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

سوم: جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دارالکفر سے ہجرت نہ کرسکتا ہو اس کے لیے دارالکفر میں رہنا جائز ہے، اور اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو اجر کا مستحق ہوگا۔'' (فتح الباری جلد ۶/ص ۳۸)

منصب قضا غلط یا صحیح

خواہ کوئی بھی عہد یا منصب ہو اس کے تقاضے کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، کسی عہدے کا حاصل ہونا تو آسان ہوتا ہے لیکن ان کی دقتوں کو جھیلنا اور مصیبت سے بچ جانا بڑا دشوار ترین مرحلہ ہے خاص طور سے منصب قضا کا معاملہ تو کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہے۔

تاریخوں میں ملتا ہے کہ بہت سے اکابر ومشائخ کو یہ منصب تفویض کیا گیا تو انھوں نے اسے قبول نہ کیا جب کہ بہت سے بزرگانِ سلف وخلف نے اسے نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ اس کے تمام تقاضے کو بحسن وخوبی پورا کیا اور اس پرخطر وادی سے بسلامت وعافیت نکلے۔

منصب قضا قبول کرنے کے سلسلے میں حسب ذیل حدیث ملاحظہ کریں۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لاحسد الافی اثنین رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھویقضی بھاویعلمھا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دوآدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ حق کے راستوں میں اسے خرچ کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔(بخاری جلد اول، ص ۱۷)

عن ابی ایوب رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یداللّٰہ مع القاضی حین یقضی ویداللّٰہ مع القاسم حین یقسم۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی فیصلہ کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے اور جب قاسم تقسیم کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔(مسند امام احمد جلد ۵،ص ۴۱۴)

مذکورہ حدیثوں میں قضا کی فضیلت اور قاضی کے ساتھ تائید خداوندی کی جہاں بشارت موجود ہے وہیں اس میں منصب کے حصول کی طرف ترغیب وتشویق بھی ہے، عہد نبوت اور دور خلافت

راشدہ میں متعدد صحابۂ کرام نے منصب قضا کو قبول فرمایا اور سعادت اخروی سے مالا مال ہوئے جب کہ اس کے خلاف حسب ذیل حدیث بھی کتابوں میں موجود ہے۔

عن بریدہ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قال القضاۃ ثلاثۃ واحدفی الجنۃ واثنان فی النار فاماالذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضی بہ ورجل عرف الحق فجارفی الحکم فھوفی النار ورجل قضی للناس علی جھل فھوفی النار۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہوگا اور دو جہنم میں ہوں گے، جنت میں وہ شخص ہوگا جس کو حق کا علم ہوگا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اور جس شخص کو حق کا علم ہو اور پھر وہ فیصلہ میں ظلم کرے وہ وہ جہنم میں ہوگا اور جو شخص بغیر علم کے لوگوں کے فیصلے کرے وہ بھی جہنم میں ہوگا۔ (ابوداؤد، جلد۲،ص ۱۴۷)

عن ابی ھریرہ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ من ولی القضا اوجعل قاضیابین الناس فقد ذبح بغیر سکین۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو منصب قضا سونپا گیا یا فرمایا جو شخص لوگوں کا قاضی بنایا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (جامع ترمذی، ص۲۱۰)

حل اشکال:

مسطور بالا دونوں قسم کی حدیثوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد قضا کے سلسلے میں کلمات متعارض ہیں بعض میں بشارت ہے تو بعض میں وعید ہے، کچھ میں ترغیب ہے تو کسی میں تہدید، اس طرح یہ مسئلہ پیچیدگی کے دائرے میں آ گیا جس کا حل ابوالحسن علی بن خلیل نے یوں پیش کیا ہے:

''منصب قضا کو قبول کرنا فرض کفایہ ہے، اور امت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قضا کو قائم کرنا واجب ہے، اور اگر شہر میں صرف ایک شخص قضا کا اہل ہو جس میں قضا کی شرائط پائی جاتی ہوں تو اس پر اس منصب کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر وہ قضا قبول نہ کرے تو اس کو قضا قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اکثر علما و مصنفین نے منصب قضا سے احتراز کو بیان کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور منصب قضا سے اعراض وفرار کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔حتی کہ بہت سے فقہا اور صالحین کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس نے منصب قضا کو قبول کر لیا اس کا دین خطرے میں پڑ گیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا۔یہ بات بالکل غلط ہے اور اس سے رجوع اور توبہ کرنا واجب ہے، بلکہ اس عظیم منصب کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔

انبیا علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچایا جائے، اللہ تعالیٰ کے حدود کو قائم کیا جائے اور عدل وانصاف کو پھیلایا جائے اور اس عدل و انصاف کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہے۔قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں قضا کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور جن حدیثوں میں قاضیوں پر وعید کا ذکر ہے وہ ظالم اور جاہل قاضیوں سے متعلق ہیں اور جس حدیث میں ہے کہ جس کو قاضی بنایا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اس حدیث میں منصب قضا قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کی ہدایت دی گئی ہے، دوم یہ کہ یہ حدیث منصب قضا کی عظمت وفضیلت کی دلیل ہے کیوں کہ جو شخص منصب قضا کو قبول کرتا ہے وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر چھری کے ذبح کر دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ جو شخص حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اہل ہوا اور باطل پرست اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، کبھی قاضی کا فیصلہ کسی بہت مالدار اور صاحب اثر ورسوخ کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حکومت وقت کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی جان، مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور انگاروں سے کھیلنا ہے پس قاضی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے راہ حق میں ذبح

ہوکر شہدا کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہم، کو قاضی مقرر کیا لہٰذا قضا سے بچنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظالمانہ فیصلے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قاضیوں کی تین قسمیں ہیں، دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا۔ جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو قاضی عمداً حق سے انحراف کر کے ظالمانہ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا اور اہل علم سے پوچھنے میں عار محسوس کرے گا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث ظالم اور جاہل قاضی کے متعلق ہے لیکن جو شخص حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کے فیصلہ میں خطا لاحق ہوجائے وہ مجرم نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اپنی کوشش کرنے کا ایک اجر ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ غلط فیصلہ پر پہنچے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (معین الحکام ص ۷)

کوثر امام قادری
دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم پرسونی بازار، مہراج گنج، یوپی

صفحہ ۲۸ کا بقیہ

.................اور وہ تم سے جماع کرلے)) (صحیح البخاری، ج ۸ ص ۲۲، کتاب اللباس، باب التبسم والضحک، رقم: ۶۰۸۴، مطبع: دار طوق النجاۃ)

رہی بات یہ کہ دوسرے سے شادی کرنا یہ عورت کے لیے سزا ہے؛ تو یہ غلط فکر کا نتیجہ ہے، غور کیا جائے؛ تو مندرجہ ذیل چیزیں واضح ہوکر سامنے آئیں گی:

(الف) اس حکم میں عورت کے لیے نہیں بلکہ مرد کے لیے سزا اور باعث ننگ و عار ہے کہ اس کی عورت دوسرے کے پاس رہ کر دوبارہ اس کے پاس آرہی ہے، اور یہ وہ سزا ہے جس سے وہ خود عبرت حاصل کر کے دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا اور دوسرے لوگ بھی اس سے نصیحت پکڑیں گے اور اس طرح کی حرکت سے باز رہیں گے۔

(ب) یہ حکم عورت کے حق میں سزا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ عورت دوسرے مرد کے پاس اس سے نکاح کرنے کے بعد جاتی ہے اور نکاح تو مسنون طریقہ ہے۔

(ت) اگر علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے کہ اس حکم میں عورت کے لیے سزا ہے؛ تو میں بتانا چاہوں گا کہ مرد کے تین طلاق دینے کے بعد عورت خود مختار ہوجاتی ہے، اس پر دوسری شادی کر کے پہلے شوہر کے پاس جانا فرض و واجب نہیں اور نہ ہی شریعت نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لہٰذا عورت اگر اس حکم کو سزا تصور کرتی ہے؛ تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنے اختیار کو استعمال کرے اور دوبارہ دوسرے شوہر کے پاس نہ جائے، اگرچہ حقیقت یہی ہے کہ اس حکم میں سزا و باعث ہتک عزت عورت کے لیے نہیں بلکہ مرد کے لیے ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

تنبیہ: مسلمان عوام کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم شرعی میں عقلی دلیل نہ ڈھونڈیں، بلکہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو بلا چوں و چرا قبول کرلیں، اگرچہ کوئی حکم شرعی عقل سلیم کے خلاف نہیں مگر ہر حکم شرعی میں عقل سلیم ہی ہو ضروری نہیں! لہٰذا عقلی دلیل تلاش کرنے یا چوں و چرا کرنے سے پرہیز کر کے شریعت کے حکم کو تسلیم کرلینے میں ہی بھلائی وعافیت ہے۔

از ہار احمد امجدی ازہری کان اللہ لہ
فاضل جامعہ ازہر مصر، شعبہ حدیث، ایم اے
استاذ ومفتی: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی، یوپی، انڈیا
email:amjadiazhari@yahoo.com
Mobile :09936691051

شرعی مسائل

از: مفتی محمود اختر القادری ممبئی

عورتوں کے سجدہ کرنے کا طریقہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ عورتوں کے لیے سجدہ کرنے کا طریقہ مردوں کی ہی طرح ہے یا مختلف ہے؟ اگر کوئی عورت مردوں کی طرح سجدہ کرتی ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ مستفتی: محمد ہارون ہیوسٹن

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب (۱) عورتوں کے لیے سجدہ کرنے کا سنت طریقہ مردوں سے مختلف ہے۔ عورتوں کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ سمٹ کر سجدہ کرے مرد کی طرح بازو کروٹوں سے اور پیٹ رانوں سے جدا نہ رکھے بلکہ دونوں بازو کروٹوں سے اور پیٹ رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے ملا دے۔ اس میں اس کے لیے زیادہ ستر اور پردہ ہے۔ عالمگیری میں ہے: **والمرءة لا تجافي في ركوعها و سجودها و تقعد على رجليها و في السجدة تفترش بطنها على فخذيها.** یعنی رکوع وسجدہ میں اعضا جدا نہ رکھے اور اپنے دونوں پاؤں پر بیٹھے اور سجدہ میں اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر بچھا دے۔ عورت اگر مرد کی طرح سجدہ کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی مگر سنت ترک ہوگی۔ اس زمانہ میں مردوں کی طرح عورتوں کو سجدہ نہ کرنے کی زیادہ تاکید ہونی چاہیے کیونکہ مردوں کی طرح سجدہ کرنے میں غیر مقلد عورتوں سے مشابہت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سونے چاندی کے سوا دیگر دھاتوں کے زیورات کا حکم

سوال: آج کل خواتین سونے چاندی کی مہنگائی کے سبب مختلف قسم کی دھاتوں کے زیورات پہنتی ہیں جو خوب صورت ڈیزائن میں تیار کیے جاتے ہیں اور کم قیمت میں مل جاتے ہیں۔ کیا غریب خواتین ایسے زیورات پہن سکتی ہیں؟

الجواب: سونے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کے زیور عورتوں کو بھی جائز نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: چاندی سونے کے سوا لوہے پیتل تانبے رانگ کا زیور عورتوں کو بھی مباح نہیں چہ جائیکہ مردوں کے لیے (فتاوی رضویہ ج۹ ص۱۴) اسی طرح حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں: سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے زیور مرد عورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں، یہ مصنوعی سونا بھی اسی حکم میں ہے۔ (فتاوی امجدیہ ج۴ ص۲۸۷) لہٰذا خواتین سونے چاندی کے سوا کسی بھی دھات کے زیور خواہ وہ کتنا ہی خوبصورت اور سستا کیوں نہ ہو ہرگز نہ پہنیں۔ پلاسٹک اور لکڑی وغیرہ کے زیورات میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

موبائل وغیرہ پر نظر آنے والی صورتیں حقیقتاً تصویر (فوٹو) ہیں

سوال: زید اپنے موبائل کی اسکرین پر جاندار کی تصویر رکھتا ہے۔ اس سے اس بارے میں کہا گیا تو اس نے کہا یہ تو تصویر کا عکس ہے۔ تصویر وہ منع ہے جو کسی چیز پر پرنٹیڈ ہو یعنی کاغذ وغیرہ پر چھپی ہو، کیا زید کا کہنا درست ہے؟

الجواب: ٹی وی، موبائل وغیرہ کی اسکرین پر جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ تصویر (فوٹو) ہی ہیں اور ان پر تصاویر ہی کے احکام ہیں شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی و قاضی مفتی عبد الرحیم رضوی علیہم الرحمہ اور شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ لیپ ٹاپ، ٹی وی پردۂ سیمیں پر نظر آنے والی صورتیں بھی تصویر ہی ہیں، اور ان پر تصاویر ہی کے احکام ہیں۔ موبائل وغیرہ کی اسکرین پر جو کچھ نظر آتا ہے اس کا قیاس آئینہ پر کرنا قیاس مع الفارق اور غلط ہے، کیونکہ آئینہ

میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس میں چھپتا نہیں بلکہ آئینہ کی صقالت کی وجہ سے دیکھنے والے کی نظر خود اسی کو دیکھتی ہے۔ حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ مصنف بہارشریعت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: آئینہ سامنے ہوتو نماز میں کراہت نہیں کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں، اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ رکھنا بھی مثل تصویر ناجائز ہو جائے حالانکہ بالاجماع جائز ہے، اور حقیقت امر یہ ہے کہ وہاں تصویر ہوتی ہی نہیں بلکہ خطوط شعاعی آئینہ کی صقالت کی وجہ سے لوٹ کر چہرہ پر آتے ہیں گویا یہ شخص خود اپنے کو دیکھتا ہے نہ یہ کہ آئینہ میں اس کی صورت چھپتی ہو (فتوی امجدیہ ج اص ۱۸۴) لہٰذا موبائل اسکرین پر جو نظر آتا ہے وہ تصویر ہے اور جاندار کی تصویر کھینچنے کھچوانے اعزازاً رکھنے وغیرہ کا جو حکم ہے وہ اس پر بھی ہوگا، اسے تصویر کا عکس کہہ کر جائز کہنا صحیح نہیں۔ زید اپنے اس قول سے رجوع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

موبائل سی ڈی وغیرہ پر قرآن مقدس کی تلاوت سننے کے آداب

موبائل، سی ڈی، یا انٹرنیٹ پر قرآن مقدس کی تلاوت سنی جائے تو اس کے کیا آداب ہیں؟ کیا دوسرا کام کرتے ہوئے مثلاً گاڑی چلاتے ہوئے یا آفس میں کام کرتے ہوئے تلاوت کی ریکارڈنگ بجاسکتے ہیں؟

الجواب: تلاوتِ قرآن کے آداب سے ہے کہ جب بلند آواز سے قرآن مجید پڑھا جائے اور مجمع سننے کی غرض سے حاضر ہو تو تمام حاضرین پر سننا فرض ہے، اگر مجمع سننے کے لیے نہ ہو تو ایک کا سننا کافی ہے اگر چہ دوسرے اپنے کام میں ہوں۔ موبائل، سی ڈی یا انٹر نیٹ وغیرہ سے قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز اگر چہ اصل تلاوت نہیں ہے بلکہ اس کی نقل و حکایت ہے مگر اس کے سننے کے آداب بھی وہی ہونے چاہیے جو اصل تلاوت سننے کے آداب ہیں لہٰذا جب موبائل وغیرہ سے قرآن حکیم کی تلاوت کی آواز آرہی ہو تو وہاں شوروغل نہ کیا جائے، ہنسی مذاق لہوولعب وغیرہ سے بچا جائے اور اس وقت دوسرے کام میں مشغول ہونا کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سی ڈی موبائل وغیرہ پر آیت سجدہ سننے کا حکم

سوال: مذکورہ ذرائع یعنی سی ڈی، موبائل یا انٹرنیٹ سے قرآن پاک سننے پر اگر آیت سجدہ سنی تو سجدۂ تلاوت کرنا چاہئے یا نہیں شریعت مطہرہ کی روشنی میں ارشاد فرمائیں؟

الجواب: سی ڈی، موبائل یا انٹرنیٹ سے آیت سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، کہ ان سب کی آواز کا حکم صدائے بازگشت کا ہے اور صدائے بازگشت سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ واجب نہیں۔ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان غنیۃ عالمگیری اور درمختار کے حوالے سے فرماتے ہیں: یوں ہی پرند سے آیت سجدہ سنی یا جنگل اور پہاڑ وغیرہ میں آواز گونجی اور بجنسہ آیت کی آواز کان میں آئی تو سجدہ واجب نہیں (بہارشریعت ۴؍۶۷) واللہ تعالیٰ اعلم

مائک سے سنی جانے والی اذان کا جواب ہے یا نہیں؟

سوال: جو اذان مائک سے ہوتی ہے اور دور دور تک سنی جاتی ہے کیا اس اذان کا جواب تمام لوگوں پر ہے جہاں تک وہ آواز جارہی ہے؟

الجواب: اذان کی آواز اگر اسپیکر وغیرہ سے بھی آئے تو اس کے بھی آداب بجالانا چاہئے اور اس کا جواب بھی دینا چاہیے کہ اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مقتدی دعائے قنوت پڑھنے میں امام کی متابعت کرے

رمضان میں وتر کی جماعت میں تیسری رکعت میں ابھی مقتدی دعائے قنوت پڑھ رہا تھا کہ امام نے رکوع کر دیا اب مقتدی اپنی دعائے قنوت مکمل کرے یا امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں؟

الجواب: مقتدی امام کی متابعت کرے یعنی دعائے قنوت مکمل کرنے کے بجائے امام کے ساتھ رکوع کرے۔ فتاوی عالمگیری اور ردالمحتار کے حوالے سے حضور صدرالشریعہ اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: قنوت وتر میں مقتدی امام کی متابعت کرے۔ اگر مقتدی قنوت سے فارغ نہ ہوا تھا کہ امام رکوع میں چلا

گیا تو مقتدی بھی امام کا ساتھ دے (بہار شریعت ج ۴ ص ۶) لہٰذا مقتدی دعائے قنوت مکمل کرنے کے لیے ٹھہرے نہیں۔ بلکہ امام کے ساتھ رکوع کرے۔ واللہ تعالی اعلم

کیا شوہر گھر میں اپنی بیوی کی امامت کر سکتا ہے؟

سوال: شوہر اور بیوی گھر میں جماعت سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو کیسے کھڑے ہوں؟

الجواب: اگر امام مسجد میں حاضری سے معذور ہے تو گھر میں وہ بیوی اور اپنی محرم عورتوں کی امامت کر سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضری مسجد سے کوئی عذر صحیح شرعی نہیں تو مطلقا مکروہ ہے، کہ مرد پر حاضری مسجد واجب ہے اور اگر اسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں ہوں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوا نہیں تو مطلقاً بلا کراہت جائز ہے (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۳۸۱) جماعت کی صورت میں اگر صرف ایک عورت ہے جب بھی وہ امام کے پہلو میں نہ کھڑی ہو بلکہ اس کے پیچھے کھڑی ہو۔ واللہ تعالی اعلم

ظہر کی جماعت شروع ہونے پر چار رکعت والی سنت موکدہ پوری کرے یا دو پر سلام پھیر دے؟

سوال: زید ظہر کی چار رکعت سنت ادا کر رہا تھا کہ اسی دوران اقامت ہوئی اور جماعت شروع ہوگئی اب زید اپنی چار رکعتیں مکمل کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جائے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: اس سلسلے میں فقہائے کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے اور بعد میں سنت کی قضا کرے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چار رکعت مکمل کرے اس کے بعد جماعت میں شریک ہو۔ دونوں قول بہت ہی قوی عالی مرتبت اور رفیع وجلیل ہیں، لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے دونوں قول دلائل کے ساتھ نقل فرما کر ارشاد فرمایا: بالآخر مسئلہ ازاں قبیل ست کہ انسان از ہر دو قول بر ہر چہ خواہد عمل نماید ہیچ جائے ملامت نیست ومن فقیر بقول اخیر خود را مائل تر می بینم (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۶۱۲) یعنی یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ آدمی دونوں قول میں سے جس پر چاہے عمل کرے کوئی ملامت کی جگہ نہیں میں فقیر دوسرے قول پر خود کو زیادہ مائل پاتا ہوں۔ واللہ تعالی اعلم

شافعی امام کے پیچھے حنفی مقتدی کا زور سے آمین کہنا؟

سوال: زید ایسی مسجد میں نماز ادا کرتا ہے جہاں نمازی بلند آواز سے آمین کہتے ہیں کیا زید بھی بلند آواز سے آمین کہہ سکتا ہے یا آہستہ آمین کہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: زید اگر حنفی ہے تو وہ اپنے مذہب کی پیروی کرے مذہب حنفی میں آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے۔ لہٰذا زید بلند آواز سے آمین نہ کہے بلکہ آہستہ آمین کہے تاکہ اپنے مذہب کے خلاف نہ ہو واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ محمود اختر القادری امجدی رضوی دارالافتا ممبئی

حیاتِ صدرالشریعہ

بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ کی ایک یادگار تحریر

حضور صدالشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات اور سوانحی حالات پر چھوٹے بڑے متعدد مقالات ہندو پاک میں شائع ہو چکے ہیں، لیکن بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر جو انھوں نے خود حضور صدرالشریعہ سے پوچھ پوچھ کر تیار کی تھی پہلی بار پاکستان میں حضرت مفتی عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے شائع کی اور ہندوستان میں ہنوز منتظر طبع ہے۔ دراصل رمضان ۱۳۶۵ھ کی تعطیل میں حضرت بحرالعلوم جب اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے اسی مقصد سے گھوسی پہنچے، بڑی مشکل سے حضور صدرالشریعہ کو اس کے لیے راضی کیا اور حالات قلم بند کرنا شروع کیا، کوئی دس روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، ابھی قیام اجمیر شریف تک کے حالات لکھے جا سکے تھے کہ ۲۰ر رمضان کی تاریخ آ گئی اور حضرت اعتکاف میں چلے گئے اور فرمایا: ''میاں اب خدا کے گھر میں وہ بھی حالت اعتکاف میں اپنا ذکر اپنے ہی منھ سے اچھا نہیں لگتا''۔ لہٰذا اس پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ جو کچھ حضرت بحرالعلوم علیہ الرحمہ نے جمع و ترتیب فرمایا مفتی عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے اسے لاہور سے شائع کیا، جس کا ایک نسخہ ہمیں مولانا نوید اختر امجدی بھیونڈی کے ذریعہ دستیاب ہوا، ہم اس کے کچھ حصے چند قسطوں میں نذر قارئین کرتے ہیں۔

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ سے متعلق ''حیات وخدمات''، ماہنامہ اشرفیہ کا صدرالشریعہ نمبر، اور دیگر متعدد سوانحی خاکے موجود ہیں۔ لیکن ہمیں خوشی ہے کہ اس تعلق سے مفتی بحرالعلوم علیہ الرحمہ کی تحریر پیغام شریعت کے صفحات پر ہندوستان میں پہلی بار شائع ہو رہی ہے۔ زیر نظر تحریر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بحرالعلوم نے کہیں حضرت صدرالشریعہ کے حالات انھیں کے الفاظ میں درج کیے ہیں اور کہیں اپنے الفاظ میں۔ اس کا آغاز صدرالشریعہ نے سن اور جائے ولادت کی بجائے ابتدائی تعلیم سے کی ہے۔ (ادارہ)

ابتدائی تعلیم

بالکل ابتدائی تعلیم اپنے دادا مولانا خدا بخش صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ ان کے وصال کے بعد مولوی الٰہی بخش صاحب ساکن کوپاگنج ضلع اعظم گڑھ تلمیذ مولوی تراب علی صاحب لکھنوی سے کچھ پڑھا جو یہیں گھوسی کے مدرسہ میں مدرس تھے اور یہیں کچھ دنوں سے پڑھا رہے تھے، مگر یہ زمانہ ایسا تھا کہ کوئی شخص بھی نہ تعلیم کا مکلّف تھا نہ نگراں تھا، پھر بچپن کا زمانہ، بہرصورت کئی سال تک بے انتظامی کے ساتھ تعلیم کا کچھ معمولی سا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں:

پھر غالباً ابتدائے شوال ۱۳۱۴ھ جونپور کا سفر کیا۔ اس زمانہ میں ریل گاڑی نہ تھی اور سواری کے انتظام میں دشواری تھی یہاں سے اعظم گڑھ تک پیدل پھر وہاں سے جونپور اونٹ گاڑی پر پہنچے اور مدرسہ حنفیہ میں اپنے برادر عزیز اور مولوی محمد صدیق صاحب کے پاس قیام کیا۔ خود مولوی صدیق صاحب اور مولانا سید ہادی حسن صاحب جو حضرت مولانا محمد ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے اور اس مدرسہ میں مدرس دوم تھے ان لوگوں سے کچھ دنوں تعلیم حاصل کی۔ تھوڑے زمانہ کے بعد حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے ذمہ تعلیم لے لیا۔

اول بآخر نسبتے دارد:

شروع ہی سے پڑھانے کا شوق زیادہ تھا یہاں تک کہ

کافیہ، تہذیب اور شرح تہذیب پڑھنے کے زمانے میں ان سے نیچے کی تمام کتابیں طلبا کو پڑھایا کرتے تھے، چوں کہ بڑے اساتذہ کو نیچے کی کتابوں کی تعلیم میں پوری دل چسپی نہیں ہوتی۔ سمجھ دار طالب علم اس بات کی جستجو میں رہتا ہے کہ کوئی شخص کوشش کے ساتھ ہمیں تعلیم دے، اس نظریے کے ماتحت طلبا کی رجوع روز بروز زیادہ ہوتی رہی۔ جتنا خود اوپر کے درجہ کی تعلیم میں ترقی کرتے جاتے تھے، اسی انداز سے پڑھانے کا سلسلہ برابر بڑھتا ہی جاتا تھا۔ سبق پڑھنے کے بعد دن کا سارا وقت بلکہ رات کا بھی کچھ حصہ پڑھانے میں صرف ہوتا تھا۔

حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ اپنے زمانہ میں گویا ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ منطق وفلسفہ اوراصول فقہ کی تعلیم ان کا مخصوص حصہ تھا۔ حضرت مولانا خاتم المحققین، عمدۃ الحکماوالمتکلمین سیدنا ومولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل فرمائی ۔ زمانۂ جنگ آزادی میں بھی مولانا خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ رہے ۔ یہاں تک کہ جب وہ جزیرہ انڈمان بھیج دیے گئے اس کے بعد استاد سے جدائی ہوئی اور خود مستقل طور پر مسند درس پر متمکن ہوئے اور تشنگان علوم کو اپنے فیوض سے سیراب کرتے رہے۔ اکثر وبیشتر ہندوستان کے منتخب اور چنے ہوئے طلبا مخصوص کتابوں کو پڑھنے کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔

شفاء، افق المبین اور تجرید مع حواشی قدیمہ وجدیدہ اور شرح اشارات مع محاکمات وغیرہ اس قسم کی کتابیں تقریباً ہمیشہ پڑھایا کرتے تھے ۔ زواہد ثلٰثہ (میرزاہد ملاجلال، میرزاہد رسالہ قطبیہ، میرزاہد امورعامہ) میں ہندوستان میں یگانہ مانے جاتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ حاشیہ بحرالعلوم کی تعلیم بھی ضروری جانتے تھے۔

صدرالشریعہ پرآپ کا خاص کرم:

مگر آپ پر حضرت استاذ الاساتذہ کا یہ خاص کرم تھا کہ ابتدائی تعلیم بھی اپنے ذمہ رکھی یعنی شرح تہذیب سے ہی خود پڑھانا شروع کیا اور معقولات کی آخری کتابوں تک تعلیم دی۔ حضرت استاذ کی اس توجہ کے نتیجہ میں ظاہر ہے کہ مجھے مدرسہ حنفیہ کے جملہ طلبا میں ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

ذہن ثاقب اورقوت حافظہ:

حافظہ کی قوت اور ذہن کی سلاست روی اور شوق ومحنت کی وجہ سے جملہ طلبہ اپنے سے بہتر سمجھتے تھے، اس زمانہ میں حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ کتاب میں مضمون دیکھنے یا استاد سے تقریر سننے کے بعد برسوں تک ایسا محفوظ رہتا تھا جیسے ابھی دیکھا یا سنا ہے۔ تین مرتبہ کسی عبارت کو پڑھ لیتے تو وہ یاد ہو جاتی۔

تمام ''کافیہ'' ایک دن میں حفظ:

چنانچہ ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ کافیہ کی عبارت زبانی یاد کرلی جائے تو فائدہ مند ہوگا ایک ہی دن میں پوری کتاب یاد کرڈالی۔ سبق میں اساتذہ کتاب سے زائد چیزیں از قبیلِ اعتراض وجواب یا تحقیق مضمون کتاب بیان کیا کرتے تھے وہ ایسا ذہن میں محفوظ رہتا کہ اگر چاہتے تو وہ کتاب کی ایک بہترین شرح لکھ سکتے تھے۔

محدث سورتی کے حضور:

علوم نقلیہ وعقلیہ سے فارغ ہونے کے بعد حسب الارشاد حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ پیلی بھیت حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں علم حدیث کو حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت مولانا نے محدث سورتی کی خدمت میں روانگی کے وقت یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ میں اپنا ایک مخصوص وعزیز طالب علم آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں ۔جب پیلی بھیت پہنچا اور اسباق میں شریک ہوئے تو محدث سورتی میرے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے زیادہ توجہ فرمانے لگے۔

قیام پیلی بھیت اور مشغلہ درس وتدریس:

پیلی بھیت کے زمانہ قیام میں عموما سارا دن پڑھنے پڑھانے میں اور رات کا اکثر حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، حمد اللہ، میر زاہد اور ملا حسن پڑھنے والے طلبا یہ کتابیں مجھ سے پڑھتے، کیوں کہ اب تک جو دور گذرا تھا وہ زیادہ تر علوم عقلیہ ہی کی تحصیل میں گزرا تھا اب جو علم شروع کیا تھا وہ بالکل نیا تھا اور اس علم کی بنا حقانیت اور حقیقت پر ہے اس تعلیم میں زیادہ محنت کرنی پڑی۔ صحاح ستہ، مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ، کتاب الآثار وکتاب الحج، شرح معانی الآثار اور مسند امام اعظم اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حرفاً حرفاً قرأۃً وسماعۃً پڑھیں۔ چودہ مہینہ پیلی بھیت میں اقامت کی مگر شاید ہی کسی روز چھٹی ملی ہو، جمعہ کو بھی اسباق ہوتے تھے۔

استاذ کی ستائش:

حضرت مولانا محدث صاحب علیہ الرحمہ بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو ساری عمر میں یہ ایک طالب علم ملا یہ جو محنتی بھی ہے اور سمجھدار بھی اور علم سے شوق ودلچسپی رکھتا ہے۔ اس زمانۂ اقامت میں اگر کہیں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ مجھے بھی لے جاتے اور سفر میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا۔

والد کی خدمت میں اور ان کی خواہش:

اس علم شریف سے فراغت کے بعد وطن مراجعت کی، والد ماجد قبلہ نے علم طب کی طرف توجہ دلائی اور یہ فرمایا ''میراث پدر خواہی علم پدر آموز'' چوں کہ یہ فن ہمارے خاندان میں کئی پشت سے چلا آرہا تھا اور خصوصاً والد ماجد کو اس میں زبردست ید طولیٰ حاصل تھا۔ لکھنؤ میں مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی سے علوم وفنون کی تکمیل کے بعد حکیم عبدالحی جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے مکمل طور پر اس علم کو حاصل کیا اور معالجہ ہی کو اپنا پیشہ اور طریقۂ کار بنایا۔ لہٰذا ان کی یہی خواہش ہوئی۔

آداب فرزندی:

آپ نے والد صاحب کی کسی بات کا جواب عمر بھر کبھی نہیں دیا تھا، مگر اس بات کے متعلق یہ کہا کہ اگر مجھ سے علم طب ہی پڑھوانا تھا تو اتنے دنوں تک علوم عقلیہ ونقلیہ میں مشغول رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ چند فلسفہ کی کتابیں بطور مقدمہ علم طب کے لیے کافی تھیں اور طب میں مشغول ہونے کے بعد یہ امید نہیں کہ اپنے مقاصد میں یعنی علوم نقلیہ وعقلیہ میں کامیابی حاصل کرسکوں لہٰذا میں اجازت چاہتا ہوں کہ انہیں علوم میں مجھے مشغول رہنے دیا جائے۔ والد صاحب نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے ہی کہا تھا اگر تم نہیں چاہتے ہو تو میری طرف سے اجازت ہے میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔

پٹنہ میں ورود اور منصب تدریس:

یہاں تک طالب علمی کا دور تھا جواب ختم ہوا۔ اس کے بعد دو تین ماہ مکان پر قیام رہا اور اسی درمیان میں جناب قاضی عبدالوحید صاحب رئیس پٹنہ نے حضرت مولانا محدث سورتی کی خدمت میں یہ خط بھیجا کہ مدرسہ اہل سنت کے لیے مدرس اول کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص آپ کے علم میں ہو تو ان کو مقرر فرمادیجیے۔ واضح ہو کہ یہ وہی جگہ تھی کہ پہلے جناب مولانا عبدالعزیز صاحب انبیٹھوی جو حضرت مولانا خیرآبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے اور منطقی مشہور تھے اس جگہ پر فائز تھے اور مدرس اول کا کام انجام دے رہے تھے۔ اس کے بعد حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی مدرس اول رہے اور کار تدریس انجام دیتے رہے جس جگہ ایسی مقتدر ہستیاں جو اپنے علم وفضل کے اعتبار سے نامی وگرامی اور اپنی عمر کے لحاظ سے تجربہ کار تھیں ان کی جگہ پر ایک نئے شخص کا تقرر کتنا اہم کام ہے؟ مگر حضرت محدث صاحب سورتی کا حکم تھا جس کی تعمیل لازمی تھی، ناچار اس عہدہ کو قبول کرنا ہی پڑا۔ مکان سے جون پور بغرض تحصیل اجازت حضرت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے اجازت عطا فرمائی اور اپنی دعائیں شامل حال کیں، پٹنہ پہنچا، دو روز تک جناب قاضی صاحب رئیس پٹنہ کے مہمان رہا پھر مدرسہ کا کام

سپرد کیا گیا۔ پہلے دن جب مدرسہ میں جانا ہوا تو یہ بھی نہ معلوم تھا کہ کون سی کتابیں پڑھانی ہیں اور کس جگہ سے پڑھانا ہے؟

امتحان گاہ:

دفعۃً سامنے ہدایہ جلد ثالث پڑھانے کے لیے پیش کی گئی ، یہ نہیں کہ صرف پڑھنے والے طلبا کے سامنے پڑھانا تھا، بلکہ خود قاضی عبدالوحید صاحب جو ایک اچھے عالم تھے اور بعض دیگر علما تعلیم دیکھنے کی خاطر بیٹھے تھے۔ نئی جگہ، کتاب جس کی پیشتر سے خبر نہیں اور علما کا بقصد امتحان وہاں موجود ہونا کس قدر پریشان کن اور دہشت ناک ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل وکرم اور اساتذہ کی دعاؤں کی برکت کہ سبق پڑھایا اور ایسا پڑھایا کہ سامعین دنگ رہ گئے۔ بہر حال وہاں کے تمام لوگوں کو تعلیم کافی پسند آئی اور مدرسہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔

قاضی عبدالوحید صاحب:

کچھ زمانہ کے بعد قاضی عبدالوحید صاحب علیل ہوئے اور انتقال کر گئے۔ قاضی عبدالوحید صاحب ایک دیندار رئیس تھے، بڑی خوبیوں کے جامع تھے حافظ قرآن اور نہایت زود خواں اور درسی کتابوں کے عالم مولانا عبدالعزیز صاحب کے شاگرد رشید، انگریزی بھی اچھی جانتے تھے اور اس کی بھی ڈگری حاصل کی تھی۔ ان کے والد نے چاہا تھا کہ بیرسٹری وغیرہ کے امتحانات کے لیے لندن جائیں۔ جس کا انھوں نے سب کچھ سامان بھی کر دیا تھا مگر قاضی صاحب نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ یورپ جائیں اس لیے انکار کر دیا۔

ندوہ کی ملمع کاری:

ندوہ کی گمراہی نے جس زمانہ میں ہندوستان کے اندر وسعت پائی اور مذہبی امتیازات کو اٹھانے کے لیے علما کی ایک بھاری جماعت ساتھ ہوئی، ان کا مقصد ہی یہی تھا کہ سنی، شیعہ، وہابی اور غیر مقلد یہ سب امتیازات بیکار ہیں۔ چنانچہ اس رویہ نے نہایت زوروں کے ساتھ ہندوستان میں ترقی پکڑی۔ اس سلسلہ میں ندوۃ العلما کا ایک عظیم الشان تاریخی اجتماع پٹنہ میں ہوا کہ ایسا اجلاس آج تک کبھی بھی نہیں ہوا۔

پٹنہ میں آفتاب حق کی ضیا باریاں:

اس موقع پر حق کی حمایت کے لئے پٹنہ میں قاضی عبدالوحید صاحب کی ہی ایک شخصیت تھی جنھوں نے اپنا مال تنہا خرچ کیا، بڑے علما جو ندوے کی باطل پرستی اور گمراہی سے واقف تھے ان کو دعوت دی جس میں اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی، تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی، حضرت محدث سورتی، حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد سہسوانی اور حضرت حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری ثم جون پوری اور بہت سے گرامی قدر علما مدعو تھے اور تشریف لائے تھے۔ ان علما کی تقریروں سے ندوہ کی گمراہی آشکارا ہوئی اور اس کا سارا پول کھل گیا، اسی وقت سے جناب قاضی عبدالوحید صاحب نے یہ مدرسہ اہل سنت قائم کیا تھا اور اپنا ایک بڑا سا مکان اس کے لیے وقف کر دیا تھا اور اپنی آمدنی کا بڑا حصہ تحفۂ حنفیہ کی اشاعت میں (جو ماہنامہ مجلّہ تھا) صرف کرتے۔

قاضی صاحب کی یہ دینداری اہل حق کے نزدیک کچھ اتنی مقبول تھی کہ ان کی عیادت کے لیے حضرت محدث سورتی اور اعلیٰ حضرت بریلوی باوجود کثرت مشاغل کے تشریف لائے تھے اور انھیں حضرات کی موجودگی میں قاضی صاحب نے وفات پائی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث صاحب نے قبر میں اتارا۔ ایک بزرگ کے آستانہ کے قریب مدفن کے لیے جگہ پائی۔

فاضل بریلوی سے شرف نیاز:

اسی زمانہ میں اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ) پٹنہ تشریف لائے تھے۔ ان کے حالات کے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ ان کی جانب عقیدت پیدا ہوئی، دل بے اختیار ادھر مائل ہوا۔ حضرت محدث صاحب کی رائے اور مشورے

سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں ان کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہوا۔

پٹنہ سے علیحدگی:

قاضی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مدرسہ ایسے ہاتھوں میں پہنچا جن کو علم اور اہل علم سے بالکل تعلق نہ تھا اور قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مدرسہ اب چل نہ سکے گا بمشکل تمام تعطیل کلاں تک کا وقت گزارا۔اس کے بعد مکان پر واپس آکر استعفا بھیج دیا۔

والد کا ارشاد:

سوچنے اور غور کرنے کے بعد دل میں خیال پیدا ہوا کہ نوکری بڑے احتیاج کی چیز ہے ،اگر چھوٹ گئی تو کس سے کہتے پھریں گے؟ کوئی ایسی چیز حاصل کر لینی چاہیے کہ دوسروں کی احتیاج باقی نہ رہے۔یہ خیال کر کے والد صاحب کی نصیحت یاد آئی اور طب پڑھنے کی طرف طبیعت کا میلان دیکھا۔

پیشہ آبائی:

رمضان کے بعد لکھنؤ پہنچے وہاں دو برس سے زیادہ تک طب پڑھنے اور مطب کرنے میں مشغول رہے۔اس سے فراغت کرنے کے بعد مکان واپس آئے اور مستقل طور پر مطب کرنا شروع کیا، چوں کہ معالجہ خاندانی پیشہ تھا، مریض بکثرت آنے لگے اور اللہ کے فضل وکرم سے شفا پانے لگے۔ پانچ چھ مہینہ مطب کرنے کے بعد کافی شہرت ہوگئی، مگر بچپن سے شہروں میں رہنے کی عادت، اہل علم اور اچھے لوگوں کی صحبت رہی تھی مکان پر دل نہ لگا۔

منزل نے پھر آواز دی:

بغرض سیر وتفریح لکھنؤ گئے ،وہاں سے پیلی بھیت پھر بریلی گئے ،پیلی بھیت سے بریلی جاتے وقت حضرت محدث صاحب نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تحریر فرما کر دے دیا تھا۔اس میں محدث صاحب نے کچھ ایسی باتیں لکھی تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ مجھے خدمت علم دین کی طرف متوجہ کیا جائے۔ جب آستانۂ اعلیٰ حضرت پر پہنچے اور اپنے آنے کی اطلاع بھیجی اعلیٰ حضرت فوراً باہر تشریف لائے ، دریافت کیا کہ کہاں تعلیم حاصل کی اور کیا کیا پڑھا ہے؟مختصر لفظوں میں آپ نے اپنا علمی معیار پیش کر دیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں قیام کیجیے اور جب تک میں نہ کہوں واپس نہ جایئے۔ اور دل بستگی کے لیے کچھ معمولی سا کام ترجمے وغیرہ کا سپرد کر دیا۔تقریباً دو ماہ قیام رہا اور اعلیٰ حضرت سے مستفیض ہوتا رہا،علمی و دینی تذکرے ومذاکرے ہوتے رہے یہاں تک کہ رمضان قریب آگیا تو اپنے وطن آنے کی اجازت مانگی،فرمایا جایئے مگر جب میں بلاؤں تو فوراً چلے آیئے گا۔مکان آنے کے بعد پھر وہی مطب اور معالجہ کا سلسلہ جاری رہا۔مطب میں اگرچہ مریضوں کی کثرت ہوتی اور لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا تھا مگر اس میں جی نہ لگا۔

تبدیل آب وہوا تبدیل مشغلہ:

پانچ چھ مہینے کے بعد پھر بغرض تفریح لکھنؤ گیا اور وہاں سے بریلی وغیرہ بھی خطوط بھیج دئے بریلی سے یہ خط آیا کہ فوراً یہاں آجایئے۔ اس مرتبہ مدرسہ کا کچھ تعلیمی کام سپرد کیا گیا، گویا آپ کو وہاں رہنے کی پابندی ہوگئی۔ کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہاں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام ”انجمن اہل سنت“ رکھا اور اس کے جملہ امور میرے سپرد کیے گئے۔

اہتمام انجمن اہل سنت وانتظام مطبع:

پھر اسی انجمن کے ماتحت ایک پریس کا اجرا کیا گیا۔ پریس کی مشین اور ضروری سامان وہاں موجود تھا۔ ندوہ کی تحریک کے خلاف کتابیں چھاپنے کے لیے پہلے سے مطبع اہل سنت قائم تھا مگر وہ بند ہو چکا تھا۔کل ضروری سامان باقی رہ گئے انہیں سے کام کرنا شروع کیا گیا۔ انجمن تو مسلمانوں کی بے توجہی سے تھوڑے دنوں کے بعد ختم ہوگئی، نہ اس میں کوئی چندہ دینے والا رہا اور نہ کام کرنے والا،مگر پریس جو انجمن کی ماتحتی میں قائم کیا گیا تھا وہ قائم رہا اور اس میں طباعت کا سلسلہ جب تک بریلی میں قیام تھا جاری رہا۔اعلیٰ حضرت کی تصانیف، وقتی اشتہارات وغیرہ اس پریس سے برابر شائع ہوتے رہے۔

تنخواہ بھی پریس پر صرف کردی:

بہت زمانہ سے مطبع کی آمدنی بہت قلیل تھی اوراخراجات آمدنی کے لحاظ سے بہت زائد، چوں کہ میں اس کام کو اپنے ذمہ لے چکا تھا کہ جس طرح سے ہوسکے گا کام جاری رکھوں گا۔لہٰذا اپنی تنخواہ کا ایک جز اس پریس کو ہمیشہ ہی نذر کرنا پڑا۔ ہوتے ہوتے پریس کی حالت بہت سنبھل گئی اوراس کے پاس کتابوں کا بہت کافی ذخیرہ فراہم ہوگیا۔فروخت کتب ہر ماہ میں اتنی ہوجاتی تھی کہ پریس کے جملہ مصارف میں کچھ ہی کمی پڑتی اور کتابوں کا سرمایہ اتنا کافی ہو چکا تھا کہ اجمیر شریف جاتے وقت دس ہزار سے کم تعداد نہ تھی۔مگر اجمیر جانے کے بعد رفتہ رفتہ یہ سارا ذخیرہ اورسامان بھی برباد ہوگیا اور کچھ لوگوں نے خرد برد کرڈالا۔جس کوشش وجانفشانی اوراپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ لگا کر یہ دینی کام اس انداز پر میں نے پہنچایا تھا کہ تھوڑی کوشش کے بعد اس سے بہت کچھ دینی خدمات انجام دی جاسکتی تھیں،اس کا برباد ہونا جتنا میرے لیے باعث قلق ہوا، دوسروں کے لیے کاش اس کا بیسواں حصہ بھی ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔

قیام بریلی کی ذمہ داریاں:

پریس کا انتظام اور مدرسہ کی تعلیم ، بریلی میں یہ دو مستقل کام مجھ سے متعلق تھے مدرسہ کی تعلیم یہ خود ایک پورا کام ہے۔ پریس کی جملہ کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح ، کتابوں کی روانگی خطوط کے جواب آمدوخرچ کا حساب یہ سارے کام تنہا انجام دیا کرتا۔ان کاموں کے علاوہ کبھی کبھی شہر وبیرون شہر میں تقریریں کرنا بھی پڑتا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا،فتووں کو نقل کرنا ان کی خدمت میں فتووں کا لکھنا یہ کام مستقل طور پر انجام دیتا۔

تقسیم کار یا کام کی مشین:

کاموں کی تقسیم اوقات پر تھی۔ بعد نماز فجر ضروری وظائف وتلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یا کچھ کم وبیش پریس کا کام انجام دیتا، پھر فوراً مدرسہ جاکر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتا، وہاں سے واپس ہوکر کھانا کھاتا۔کھانے کے بعد مستقلاً دو یا تین بجے یعنی وقت نماز ظہر پھر پریس کا کام انجام دیتا،ظہر کے بعد مدرسہ جاتا اور دو گھنٹہ مکمل یعنی وقت عصر تک تعلیم دیتا۔ بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مغرب تک بیٹھتا۔ بعد مغرب عشا تک اورعشا کے بعد بارا یک بجے شب تک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں فتویٰ وغیرہ جو کوئی کام ہوتا انجام دیتا۔اس کے بعد مکان واپس آتا کھانا کھانے کے بعد کچھ ضروری کام تحریر کا کرنے کے بعد تقریباً دو بجے شب میں سوتا،اعلیٰ حضرت کے اخیر زمانۂ حیات تک تقریباً یہی روزمرہ کا معمول رہا۔

والد کا سانحہ ارتحال:

بریلی کے ابتدائی قیام میں والد صاحب قبلہ کا سایہ سر پر تھا، ان کے وجود کی برکت سے آپ کو بہت کچھ اطمینان تھا۔ بریلی کے قیام کو ایک سال سے کچھ ہی زیادہ گزرا تھا یعنی صفر ۱۳۳۰ھ میں مکان سے تار آیا کہ والد ماجد کو طاعون ہوگیا ہے،حالت بہت نازک ہے فوراً آؤ۔ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے ابتدائے تعلیم ہی میں اٹھ چکا تھا۔والد صاحب کے اس مہلک مرض میں گرفتار ہونے کے باعث بہت زیادہ اضطراب ہوا۔ پہلی ٹرین سے مکان پہنچا۔

یہ مرض والد ماجد کو اعظم گڑھ میں ہوا، وہاں سے پالکی پر سوار ہوکر مکان تشریف لائے۔ جب میں گھر پہنچا تو والد کو نہایت شدید بخار، جیسا کہ طاعون میں عموماً ہوتا ہے اور ران میں بہت بڑی گلٹی موجود تھی۔ انھوں نے اپنا علاج خود ہی تجویز فرمایا کہ گلٹی چیری جاوے چوں کہ وہ بالکل خام تھی اور کچی گلٹی کا چیرنا دشوار کام تھا۔

والد کی قوت برداشت:

انھوں نے ایک جراح کو بلا کر اس کام پر آمادہ کیا اور کچھ قوی لوگوں کو منتخب کیا کہ آپریشن کے وقت اگر میرے ہاتھ پاؤں میں جنبش ہو تو وہ پکڑ لیں تاکہ آپریشن صحیح طور پر کیا جاسکے اور کچھ ایسی دوائیں بھی تیار رکھی تھیں کہ آپریشن سے اگر مجھے غشی طاری ہوجائے تو یہ دوائیں مجھے استعمال کرائی جائیں۔ آپریشن ہوا اوران کی ہمت وجرأت کا کیا کہنا کہ جراح کے سامنے انھوں نے اپنا پاؤں

بڑھادیا۔ لوگوں سے کہا کہ پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔آپریشن ہوااور بہت بڑی گلٹی جو پتھری کی طرح سخت تھی نکال کر پھینک دی اورانھوں نے اپنے ہاتھ پاؤں کوجنبش بھی دی۔

اخیروقت قابل رشک دماغی حالت:

عموماً جس طرح لوگوں کوسرسام ہوجاتا ہے انہیں بھی ہوادماغی حالت اچھی نہ رہی مگر بعدمیں یہ سرسامی کیفیت دور ہوگئی حواس بالکل درست ہوگئے تمام صاحبزادوں کو بلاکرانہیں کچھ نصیحتیں اوروصیتیں فرمائیں بلکہ ایک وصیت نامہ بھی لکھوایا۔مغرب کے بعد یہ سب باتیں ہوئیں تمام لوگ موجود تھے۔بڑے بھائی مولانا محمدصدیق بھی تھے،خوداپنی نبض دیکھنے کے بعدمولوی محمدصدیق صاحب سےفرمایاصدیق دیکھومیرے داہنے ہاتھ کی نبض کمزورہوگئی ہے ، انھوں نے دیکھ کر کہاہاں! پھرتھوڑی دیرکے بعد فرمایااب بائیں ہاتھ کی نبض بھی کمزورہوگئی ،انھوں نے کہاہاں! پھرتھوڑی دیر کے بعدفرمایا اب داہنے ہاتھ کی نبض ساقط ہوگئی ،دیکھا توساقط ہوچکی تھی پھرفرمایا اب بائیں ہاتھ کی ساقط ہوچکی اچھااب مجھے لٹادو۔لٹادیا گیاکلمہ زبان سے نکلااورروح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔اناللہ واناالیہ راجعون۔

والد ماجد کا انتقال پرملال گھر کے سب ہی افراد کے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا ظاہر ہے۔ اتحادواتفاق اورمکان کی جوکچھ شیرازہ بندی تھی ان سب باتوں میں فرق پیدا ہوگیا۔

اب خود میری زندگی کا بھی نیادورشروع ہوتا ہے، اہل وعیال کابار بھی سرپرآپڑا۔والد ماجد کی تاریخ وفات ۱۰رصفر المظفر ۱۳۳۰ھ ہے۔

ترجمہ قرآن مجید(کنزالایمان):

اس زمانۂ پرفتن میں زمانہ کی حالت بدلی ہوئی اورگمراہی کے اسباب اورضلالت کی کثرت دیکھتے ہوئے یہ خیال پیدا ہوا کہ بدمذہبوں کوعوام کے گمراہ کرنے کاایک بڑاذریعہ قرآن مجید کے تراجم ہیں۔کبھی تووہ لفظوں میں گنجائش پاتے ہوئے ترجمے میں کوء ایسی بات لکھ دیتے ہیں جن سے عوام کوگمراہ کرنے اور بہکانے کاموقع ملے اورکبھی نفس ترجمہ میں گنجائش نہیں ہے توحاشیہ اورفوائدکااضافہ کرکےبعض گمراہی کی باتیں لکھ جایا کرتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ تقریباً صحیح ہے:

ان ترجموں میں ایک ایسا ترجمہ جوتقریباً صحیح کہا جاسکتا ہے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا ترجمہ ہے۔ ان کے ترجمے کے سوااردومیں جتنے بھی ترجمے ہیں سب میں بہت کوتاہیاں اور بہت اغلاط ہیں مگر شاہ صاحب کا ترجمہ پرانی زبان میں ہے جوہندوستان میں آج کل بالکل متروک ہوچکی ہے بلکہ مدتوں سے لوگ اس زبان کوچھوڑ کے ہیں اس واسطے وہ ترجمہ عوام کے واسطے کارآمد نہ رہااور پسندیدہ نظر سےنہیں دیکھا جاتا۔

بدمذہبوں کوتراجم لکھنے اوراس سے عوام کوگمراہ کرنے کا پوراموقع ملاضرورت تھی کہ قرآن پاک کا کوئی صحیح ترجمہ جوہرقسم کے اغلاط سے پاک ہوعوام کے سامنے پیش کیاجائے۔جس کو وہ پڑھاکریں اوراپنی استعداد کے موافق قرآن پاک سے فائدہ اٹھائیں۔لہٰذااعلیٰ حضرت (امام احمدرضابریلوی) سےقرآن پاک کےترجمہ کےمتعلق عرض کیاگیااورزمانے کی ضرورت پیش کی گئی۔

اشاعت ترجمہ کی مشکلات:

اس کام کی اہمیت اورذمہ داری کودیکھتے ہوئے ارشاد فرمایایہ توبہت ضروری ہےمگراس کے چھپنے کی کیاصورت ہوگی؟اس کی طباعت کاکون اہتمام کرے گا؟ باوضو کاپیوں کالکھنا اور باوضو کاپیوں اورپروفوں کی تصحیح کرنااورتصحیح بھی ایسی ہوکہ زیرزبر یانقطے یاعلامتوں کی بھی غلطی باقی نہ رہ جائے،پھریہ سب چیزیں ہوجانے کے بعدجوچیز بڑی مشکل ہے وہ یہ کہ پریس مین اورکلکش ہمہ وقت باوضورہیں،بغیروضوپتھرکونہ چھوئیں،پتھر کاٹنے میں احتیاط کی جائے ، چھپنے میں ردیاں نکلتی ہیں ان کوبھی بہت احتیاط سے رکھاجائے، غرض یہ کہ جتنی بھی احتیاطیں ضروری اوردرکارہیں ان کاپورا ہونا بظاہر دشواراورناممکن سامعلوم ہوتا ہےاور جب چھپنے کی کوئی صورت

نظر نہیں آتی پھر ترجمہ لکھنے سے کیا فائدہ؟ کہ ترجمہ عوام کے لیے لکھا جائے گا کتب خانے کی الماری میں رہنے سے عوام کے لیے کیا فائدہ؟ میں نے عرض کیا ان شاء اللہ جو باتیں ضروری ہیں ان کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسی طرح چھاپا جائے گا جو شریعت کے مخالف نہ ہو اور فرض کیا جائے کہ ہم سے ایسا نہ ہو سکا تو جب ایک چیز موجود ہے ہو سکتا ہے کہ آئندہ کوئی دوسرا شخص اس کے طبع کرانے کا انتظام کرے اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، اگر اس وقت یہ کام نہ ہو سکا تو آئندہ ہم کو اس کے نہ ہونے کا بڑا افسوس کرنا بیکار ہوگا۔ مگر کچھ ایسے ضروری وقتی کام تھے جن کی وجہ سے اس کام کو کچھ دنوں کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

ترجمہ قرآن پاک کا اہتمام:

یہ فرمایا کہ دوسرے لوگوں کے بھی تراجم حاصل کر لیے جائیں تاکہ اس ضمن میں ان کے اغلاط پر تنبیہات بھی کر دی جائیں، یہ بھی ایک ضروری کام اور (دوسروں کے ترجمے والا) قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگایا جائے کہ اس میں بے ادبی ہوتی ہے، بلکہ اس کے لیے جہاں سے دست یاب ہوتے ہوں جا کر ایسے طریقے پر لایا جائے کہ بے ادبی نہ ہو۔ میری عدم الفرصتی اور کام کی کثرت نے مہینوں تک تراجم کے حاصل کرنے کا موقع نہ دیا خیر کسی نہ کسی طرح انھیں شرائط کے موافق اس زمانے میں جتنے ترجمے شائع ہو چکے تھے سب حاصل کر لیے گئے اور ترجمے کا کام بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہوا۔

ترجمہ کا طریقہ کار:

چندروز تک یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے اس کے بعد حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم کے ترجمے سنائے جاتے، ان تراجم میں جہاں کہیں غلطیاں ہوتیں ان پر تنبیہ فرماتے چندروز کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس طرح کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور کام کم ہوتا ہے اور مترجمین کی اغلاط پر تنبیہات تو ایک جداگانہ کام ہے اس ترجمے کے بعد اگر موقع ملا تو اس طرف توجہ کی جائے گی لہٰذا ان تراجم کا سنانا موقوف کیا گیا۔

حضرت سعدی کا ترجمہ قرآن پاک:

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ فارسی میں اور شاہ عبدالقادر صاحب کا اردو میں یہ دو ترجمے سنائے جاتے اور اس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ نہایت پاک وصاف سوا اس کے کہ وہ مذہباً شافعی ہیں آیات کا مطلب شافعیہ کچھ اور لیتے ہیں حنفیہ کچھ اور، وہاں تو ان کا ترجمہ ہمارے مذہب کے خلاف ضرور تھا، ورنہ کہیں بھی بظاہر کوئی سقم نظر نہیں آیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً صحیح ہے مگر بعض جگہ ان کے ترجمہ میں بھی خرابی نظر آئی۔

کچھ دنوں ترجمہ ہونے کے بعد میں وطن چلا آیا اور یہ کام رک گیا۔ واپسی کے بعد پھر آپ نے اس کام کو شروع کرنا چاہا، مگر کچھ دیگر دینی ضروریات ایسی مانع ہوئیں کہ گرمیاں آئیں اور ختم بھی ہو گئیں اور برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ اب ترجمہ کا کام شروع ہوا ایک طرف برسات کی گرمی اور بالکل قریب لالٹین اور ان پر کیڑوں اور پتنگوں کا ہجوم، کبھی ہاتھ پر کبھی آستین کے اندر کبھی پاجامے میں، بہت مرتبہ کاغذ اور قلم میں پتنگے اس طرح مجتمع ہو جاتے تھے کہ لکھنا بہت دشوار ہو جاتا تھا، پھر بھی کئی کئی گھنٹہ اسی حالت میں گزارنا پڑتا تھا اور بحمدہٖ تعالیٰ اس کام کو انجام دیا جاتا۔

ترجمہ کلام پاک کا طریقہ:

ترجمہ کا املا کرنے اور اس کے تحریر کرنے کی نوعیت یہ ہوتی کہ پہلے میں پوری آیت پڑھتا تھا اگرچہ وہ کتنی ہی بڑی ہوتی، اس کے بعد اعلیٰ حضرت ترجمے کا املا فرماتے، بعض مرتبہ مسلسل دو تین سطر کی عبارت ایک ساتھ بلا توقف بول دیا کرتے تھے، مگر بفضلہٖ تعالیٰ اس کے قلم بند کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی، نہ کوئی لفظ

کم وبیش ہونے پاتا تھا۔ جو کچھ ترجمہ جس روز تحریر کیا جاتا تھا اس کی مقدار مع تاریخ نوٹ کردی جاتی، میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ترجمہ اب تک مولانا نعیم الدین صاحب کے پاس محفوظ ہے، کہ وہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب سے اعلیٰ حضرت کے کتب خانہ سے نکلوا کر بغرض طباعت لے گئے، اگر چہ وہ کتاب میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، مگر اس کے لکھنے سے میرا مقصد یہ نہ تھا کہ اس پر مالکانہ قبضہ کروں اس لیے میں نے کبھی اس کے لیے تقاضہ نہ کیا، اس ترجمہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک روز میں کتنا ترجمہ ہوا؟ اور جن الجھنوں میں لکھا گیا ہے اس کے باوجود کتابت اغلاط سے کس درجہ پاک ہے؟ اس ترجمہ کے لکھنے اور لکھوانے کی جو خدمت میں نے انجام دی ہے وہ میری نجات اخروی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ جن مشکلات کا اس میں مقابلہ کیا غالبًا دوسرا شخص یہ نہ کرتا اور یہ کام صرف تخئیل اور وہم ہی میں رہتا خارج میں اس کا ظہور نہ ہوتا۔

ترجمہ کے بعد تفسیر:

ترجمہ کے بعد میں نے چاہا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ اس پر نظر ثانی فرمالیں اور جا بجا فوائد تحریر کریں۔ چنانچہ بہت اصرار کے بعد یہ کام شروع کیا گیا، دو تین روز تک کچھ لکھا گیا مگر جس انداز سے لکھوانا شروع کیا اس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر ہوگی، کم از کم دس بارہ جلدوں میں پوری ہوگی۔ اس وقت خیال پیدا ہوا کہ اتنی مبسوط تحریر کی کیا حاجت! ہر صفحہ میں کچھ تھوڑی باتیں ہونی چاہئیں جو حاشیہ پر درج کردی جائیں لہٰذا یہ تحریر جو ہو رہی تھی بند کردی گئی اور دوسری کی نوبت نہ آئی۔ کاش وہ مبسوط تحریر جو اعلیٰ حضرت لکھوا رہے تھے اگر پوری نہیں تو دو ایک پارے تک ہی ہوتی جب بھی شائقین علم کے لیے وہ جواہر پارے بہت مفید اور کارآمد ہوتے مگر افسوس کہ ہم خود بھی محروم رہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے متمتع نہ ہوسکے۔

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں فتویٰ نویسی:

فتویٰ نویسی جو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں انجام دیا کرتا تھا وہ اکثر اور عموماً املا کی صورت میں ہوتی تھی کہ اعلیٰ حضرت کے سامنے سوال پڑھ کر سنا دیا جاتا تھا پھر جواب ارشاد فرماتے اور لکھ لیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سوالوں سے متعدد نمبر، ایک ساتھ سنا دیے جاتے اور سب کے جواب سلسلہ وار اور نمبر وار املا فرمایا کرتے تھے جن سے اعلیٰ حضرت کے حافظہ اور ذہانت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے متعدد بار یہ فرمایا کہ دو شخص جب میرے پاس کچھ لکھنے بیٹھتے ہیں تو مجھے غور وخوض اور سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، ایسا معلوم ہوتا کہ مسلسل میرے قلب پر مضمون کا القا ہوتا ہے۔ ایک حضرت مولانا وصی احمد صاحب سورتی دوسرے مولانا امجد علی اعظمی۔

منصب افتا وقضا کی تفویض:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بعض علما اعلام کی موجودگی میں مولانا امجد علی ومولانا مصطفےٰ رضا خان صاحبان کو منصب افتا پر فائز فرمایا یہ کہتے ہوئے کہ شریعت کی جانب سے اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس کی بنا پر میں ان دونوں کو اس کام پر مامور کرتا ہوں نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوگی جو ایک قاضیِ اسلام کی ہوتی ہے اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لیے قلم دوات وغیرہ سپرد کیا۔

ایک جواب:

چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ کے زمانۂ حیات میں حسب ضرورت افتا کا کام بھی انجام دیتے رہے اور کچھ دشواری پیش آتی اس میں اعلیٰ حضرت سے مدد لیتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کی وفات سے چند روز بعد خواب میں دیکھا تقریباً دس بجے دن کا وقت ہوگا، زنانے مکان سے کچھ کاغذ ہاتھ میں لیے ہوئے برآمد ہوئے اور جس پلنگ پر باہر تشریف

فرما ہوا کرتے تھے۔اس کے قریب حسب دستور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ایک کرسی پر میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔اپنے پلنگ کے پاس تشریف لا کر وہ تمام کاغذات میرے حوالے کیے۔اس وقت میری زبان سے نکلا کہ آپ کا تو انتقال ہو چکا ہے، آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا ہم اسی طرح آیا کریں گے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے یہ تصور کیا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا مقصد یہ ہے جس طرح میرے زمانۂ حیات میں تم یہ سب کام انجام دیا کرتے تھے اب بھی یہ چیزیں تمہارے سپرد کی جاتی ہیں،لوگوں کی تحریروں کا جواب دینا تمہارے ہی متعلق کیا جاتا ہے۔چنانچہ اس کے بعد بلا تکلف اس خدمت افتاوغیرہ کو انجام دیتا رہا اور سمجھ لیا کہ جس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنی حیات میں اس کام کو تفویض فرمایا تھا اب بھی اسی کام کو مجھ سے لینا چاہتے ہیں اور جو کچھ دشواریاں ہوں گی اس میں وہ خود مدد گار رہوں گے چنانچہ کبھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے اس معاملہ میں دشواری پیش نہیں آئی فللہ الحمد۔

وصال سے ایک روز قبل استفتا کی مثال:

(اعلیٰ حضرت کے)وصال سے ایک روز قبل میرے پاس ایک استفتا آیا جس میں مجھے کچھ دشواری پیش آئی اور صحیح بات کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا اور جو بات ذہن میں آتی مخدوش نظر آتی۔ میں حاضر آستانہ ہوا پردہ کرا کر حضور کی خدمت میں پہنچا۔مزاج پرسی وغیرہ کے بعد استفتا کا مضمون عرض کیا اور یہ بھی کہ اس کا جواب کیا ہونا چاہیے؟ اس کا جواب ارشاد فرمایا پھر میں نے عرض کیا یہ حکم کس کتاب میں اور کس مقام پر ہے؟ فرمایا بحر الرائق میں فلاں مقام پر۔اس کے بعد فرمایا آج میری ایک لڑکی میرے سامنے آئی بہت دیر تک میں سوچتا رہا اور اس کا نام مجھ کو یاد نہیں آتا تھا۔ اب میرے دماغ کی یہ حالت ہے مگر الحمد للہ کہ دینی مسائل وعقائد اور بد مذہبوں کے جملہ مضامین میرے پیش نظر ہیں،ان باتوں کے لیے مجھے غور وخوض کی حاجت نہیں۔کسی بد مذہب کو کس بارے میں عاجز کیا جا سکتا ہے؟ اس کی دکھتی رگ کون سی ہے اب بھی بلا تامل بتا سکتا ہوں۔میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو خدمت آپ کو سپرد فرمائی ہے وہ آپ اخیر وقت تک برابر انجام دیتے رہیں گے۔

اعلیٰ حضرت کی مسجد میں نماز کی امامت:

چنانچہ ایسا ہی ہوا اعلیٰ حضرت نے امامت کی خدمت بھی سپرد فرمائی تھی۔ فجر،ظہر،عصر تین نمازیں خود اعلیٰ حضرت پڑھایا کرتے تھے اور مغرب وعشا یہ دونوں وقت عموماً دوسرے سے پڑھواتے تھے۔اعلیٰ حضرت کی مسجد میں ان کے حکم سے ان کی موجودگی میں صرف چار شخص نماز پڑھایا کرتے تھے۔مولانا حامد رضا خان صاحب خلف اکبر،مولوی محمد رضا خان صاحب برادر خورد، حافظ یقین الدین صاحب یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے اور قرآن پاک رمضان میں بھی سنایا کرتے تھے اور مولانا امجد علی اعظمی، نمازوں کی ادائیگی میں اتنی احتیاطیں کی جاتیں جن کو کہیں نہیں دیکھا۔

وصال کے وقت سے کئی سال پیشتر سے جمعہ کی امامت بھی اعلیٰ حضرت نے میرے ذمہ سپرد فرما دی تھی۔خصوصا مقدمہ بدایوں کے زمانہ میں کہ اسی دوران میں ایک سال سے زیادہ تک صرف میں ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔

وضو اور نماز کا امتحان:

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام کے جملہ مدرسین وطلبا کے متعلق حکم صادر فرمایا کہ سب لوگ وضو مولانا امجد علی صاحب کے سامنے کریں اور پھر ان کی نگرانی میں دو رکعت نماز بالجہر ادا کریں اور یہ حکم دیا تھا کہ ان کے وضو اور نماز اچھی طرح دیکھی جائیں۔ان کو موقع دیا جائے کہ کچھ دنوں مشق کرنے کے بعد پھر اپنے وضو اور نمازوں کا امتحان دیں۔جس کے متعلق کہہ دیں کہ اس کا وضو اور نماز صحیح ہے وہی شخص شہر کی کسی مسجد کی امامت کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔مدرسین وطلبا نے اس حکم کی پابندی کی اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنا وضو اور نمازیں لوگوں نے درست کیں۔ایک مدرس صاحب کو یہ چیز ناپسند آئی اور انھوں نے کسی کے سامنے وضو اور نماز کا امتحان

دینا اپنے لیے باعث ذلت سمجھا، وہ مدرسہ کی ملازمت سے مستعفی ہوکر اپنے وطن چلے گئے اور ایسے ہی رہ گئے۔ اور جن لوگوں نے اس میں اپنی ذلت محسوس نہ کی وہ بفضلہٖ تعالیٰ وضو اور نماز کے ادا کرنے میں مسائل شرعیہ کی پوری پابندی کرتے ہیں۔

سلاسل تصوف کی خلافت:

اٹھارہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کو بموقع عرس سراپاس قدس حضرت سیدنا آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز ورضی اللہ عنہ بغیر کسی تحریر وطلب کے اعلیٰ حضرت نے جملہ سلاسل قادریہ قدیمہ جدیدہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی اجازت تامہ وعامہ عطا فرمائی اور اپنا خلیفۂ مطلق کیا اور اپنا عمامہ سراقدس سے اتار کر میرے سر پر باندھا اور اپنی زبان پاک سے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ ''جملہ وظائف واذکار واعمال اور اپنی تمام مرویات حدیث وفقہ وجملہ علوم کی اور اپنی تمام تصانیف کی بلااستثنا میں اجازت تامہ وعامہ دیتا ہوں۔''

اعلیٰ حضرت کا یہ ایک کرم خاص تھا جو مجھ ایسے ناچیز پر فرمایا اگرچہ میں جانتا تھا اور اب بھی جانتا ہوں کہ میں اس کے قابل نہیں اور اس عہدۂ جلیلہ کی ذمہ داری کے لائق نہیں مگر جب انھوں نے اپنے کرم خاص سے اس فقیر کو نوازا اور سرفراز فرمایا تو اس کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ہے، میں اب بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں جو کچھ کرتا ہوں اور کسی کو بھی سلسلہ میں داخل کرتا ہوں تو یہی سمجھ کر داخل کرتا ہوں کہ میں اس سے اعلیٰ حضرت ومشائخ کے حوالہ کر دیتا ہوں اور اس کی ساری فلاح وبہبود کی انھیں سے درخواست کرتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفا ہیں جن کو محض میری تحریک پر خلافت عطا فرمائی۔ نہیں، بلکہ بعض وہ بھی ہیں جن کو خلافت دینا نہیں چاہتے تھے مگر میرے کہنے اور اصرار کرنے پر ان کو خلافت دے دی۔

(جاری)

(صفحہ ۵۰ کا بقیہ)..........'ترانہ بہار' جسے بہار کے جانے مانے شاعر ایم آر چشتی نے لکھا ہے۔

میری رفتار پہ سورج کی کرن نازکرے
ایسی رفتار دے مالک کہ گگن ناز کرے
وہ نظر دے کروں قدر ہر ایک مذہب کی
وہ محبت دے مجھے امن وامان ناز کرے

اس ترانہ میں کسی خاص مذہب کی بجائے علم دوستی، حب الوطنی اور ہر مذہب کی قدر کی دعا کی گئی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری تو نہیں کہ ہر مذہب کے عقائد کو تسلیم کیا جائے۔ قدر کا مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کرے۔ باقی مذہبی رسوم اور عبادات سب کا ذاتی معاملہ ہے۔ سرکاری اسکول مذہبی اسپرٹ کی تبلیغ کے لیے ہرگز نہیں ہیں۔

سرکاری اسکول سائنٹفک فکر وتعلیم کی ترویج واشاعت کے لیے ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ اسکول میں جس مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت ہوتی ہے اس مذہب کے لوگ اپنے مذہبی طور طریقے رائج کر دیتے ہیں۔ وندے ماترم سے لے کر سرسوتی پوجا اور دیگر پوجا تک کا اہتمام ہوتا ہے۔ اسکول کے دفتر میں جائیں تو سرسوتی اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی تصویریں آویزاں ہوتی ہیں یا کبھی کبھی مورتیاں بھی نصب ہوتی ہیں۔
حالاں کہ آئین کی رو سے سرکار کے مسلمہ یا مملکتی فنڈ سے امداد ملنے والے سرکاری اسکول میں اس طرح کے عمل کا کوئی جواز نہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ دوسرے مذہب کے طلبا اس طرح کے رسوم سے مستثنیٰ رہتے پھر بھی یہ ملک کے سیکولر ڈھانچے اور 'شمولیتی پالیسی' کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے دانشوروں اور سماجی کارکنوں کو اس سلسلے میں کوئی موثر لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے، تاکہ ملک کے سرکاری تعلیمی اداروں میں مذہب یا مذہبی مواد کی بجائے قومیت اور خدمت خلق کے ساتھ امن وانسانیت پر مبنی ترانے رائج ہوں اور اسی طرح سرکاری تعلیمی اداروں کی عمارتوں اور آراضی پر مذہبی شعائر کی تعمیر وتزئین کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

ایک نشست میں تین طلاق کی شرعی حیثیت

مفتی ازہار احمد امجدی ازہری

آج صحافتی منظرنامے پر طلاق کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس پر ہر شخص اپنے اپنے طور پر اظہار رائے کر رہا ہے اور شرعی نقطۂ نظر کی توضیح و تفسیر میں سرگرم عمل ہے۔ نیز ملک کے ماہرین قانون اور پاکستانی کونسل آف اسلامک آڈیولوجی نے بھی اس حوالے سے گفتگو کی ہے۔ اس معاملے میں ایسے لوگ بھی رائے دینے میں دریغ نہیں کرتے جن کا فقہ و شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلے میں مفتی ازہار احمد امجدی ازہری سے اس سلسلے میں کچھ تفصیلات حاصل کریں۔ چنانچہ موصوف سے ذیل کے دو سوال پر جواب طلب کیے۔ دونوں سوال اور پھر ان کے جواب قارئین کی نذر ہیں:

ا۔ شریعت اسلامیہ میں طلاق کا تصور کیوں ہے؟ اور شرعاً طلاق دینے کا کیا طریقہ ہے؟

۲۔ ایک نشست میں تین طلاق دینے سے کتنی طلاقیں پڑتی ہیں، شرعی دلائل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ نیز اگر ایک نشست میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں تو شوہر سے دوبارہ نکاح کے لیے عورت کا کسی اور سے نکاح کیوں ضروری ہے؟ حالانکہ غلطی شوہر نے کی ہے تو عورت کو سزا کیوں؟ (ادارہ)

جواب (ا):

الف: شریعت اسلامیہ میں طلاق کا تصور فطرت انسانی کا لحاظ کرتے ہوئے وجود میں آیا ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ شادیاں عموماً ایسے دو افراد کے درمیان ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے غیر مانوس ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ چند روز ہی میں ان دو افراد کے دلوں میں شادی کے بندھن میں بندھنے کے بعد ایسی محبت ڈال دیتا ہے گویا کہ برسوں سے ان کا ایک دوسرے سے تعلق رہا ہے! لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورت بدمزاج ہوتی ہے، شوہر یا لوگوں کو ایذا دیتی ہے۔ یا مرد میں مردانگی کے عناصر موجود نہیں، یا اس پر جادو کر دیا گیا وغیرہ، اب اگر ان صورتوں میں بھی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونے کا حق حاصل نہ ہو اور وہ ایک ساتھ رہنے پر مجبور کیے جائیں؛ تو مندرجہ ذیل خرابیاں لازم آئیں گی:

(الف) آپس میں ذہنی تناؤ رہے گا اور ایک دوسرے کی زندگی اجیرن ہونے کے کگار پر ہوگی، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے شادی کا مقصد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال کر کے خوش حال زندگی گزارنا ہے۔

(ب) اولاد بے راہ روی کا شکار ہو جائے گی، ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا؛ کیوں کہ اولاد کی اولیں درسگاہ ماں ہوتی ہے اور جب وہی بدمزاج ہوگی؛ تو اولاد بھی بدسلوکی کا شکار ہو جائے گی، حالانکہ اسلامی تعلیم کے پیش نظر نکاح کا مقصد اولاد حاصل کرنا اور ان کی صحیح تربیت کر کے اچھے معاشرے کو وجود بخشنا ہے۔

(ت) مرد یا عورت کے اندر کوئی ایسی کمی ہے جس کی وجہ سے آپس کی زندگی ناخوش گوار ہے، ایسی صورت میں معاشرہ تباہی کے دہانے پر جائے گا اور زنا وغیرہ جیسی وبا میں اضافہ ہوگا، مرد کا میلان کسی دوسری لڑکی طرف اور عورت کا میلان کسی دوسرے لڑکے کی طرف ہوگا جس کا نتیجہ بہر حال معاشرے کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

اگر غور کیا جائے؛ تو ان کے علاوہ اور بہت ساری خرابیاں

واضح ہوکر سامنے آئیں گی جن سے شادی وازدواجی زندگی گزارنے کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا، انہیں اور ان جیسی دوسری خرابیوں سے دور رکھنے کے لیے اسلام نے طلاق جیسے قانون کو وجود بخشا۔

ب: طلاق دینے کی تین صورتیں ہیں:

(الف) جس طہر یعنی پاکی کے دنوں میں اپنی عورت سے وطی نہ کی ہو اس میں ایک طلاق رجعی یعنی صریح لفظ سے طلاق دے اور چھوڑے رہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے، یہ احسن طریقہ ہے۔

(ب) غیر موطوءہ یعنی جس سے ابھی وطی نہیں کی اس کو طلاق دی اگرچہ حیض یعنی ناپاکی کے دنوں میں دی ہو، یا موطوءہ کو تین طہر میں تین طلاقیں دیں بشرطیکہ ان طہروں وحیض کی حالت میں وطی کی ہو، یا تین مہینے میں تین طلاقیں اس عورت کو دیں جسے حیض نہیں آتا مثلا نابالغہ یا حمل والی ہے یا ایاس یعنی حیض نہ آنے کی عمر کو پہنچ گئی؛ تو یہ سب صورتیں طلاق حسن کی ہیں۔

بدعی یہ ہے کہ ایک طہر میں دو یا تین طلاق، تین دفعہ میں یا دو دفعہ یا ایک دفعہ میں دیدے، خواہ تین بار لفظ کہے، یا یوں کہہ دیا کہ تجھے تین طلاقیں، یا ایک ہی طلاق دی مگر اس طہر میں وطی کر چکا ہے، یا موطوءہ کو حیض میں طلاق دی یا طہر ہی میں طلاق دی مگر اس سے پہلے جو حیض آیا تھا اس میں وطی کی تھی، یا اس حیض میں طلاق دی تھی، یا یہ سب باتیں نہیں مگر طہر میں طلاق بائن دی (بہار شریعت، ح۸ص۱۱۰ بحوالہ درمختار وغیرہ، تعبیر میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ، مطبع: مکتبۃ المدینۃ)

طلاق دینے میں احسن یا حسن طریقہ ہی اختیار کر کے ایک یا دو طلاق ہی دینی چاہیے، تاکہ اگر دونوں پھر سے ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کے لیے آمادہ ہوجائیں؛ تو کوئی جھجک محسوس نہ ہو اور حلالہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

جواب (۲):

الف: مسلمان شوہر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؛ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، خواہ شوہر نے تین بار میں تین طلاق دی ہو، مثلا یوں کہا: ''میں نے تم کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا'' یا ایک ہی بار میں تین طلاق دے دی ہو، مثلا یوں کہا: ''میں نے تجھ کو تین طلاق دیا''۔

قرآن کریم، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان، صحابہ کا عمل، سلف صالحین کا اجماع اور کتب فقہ اس پر شاہد عدل ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں بعض دلائل ملاحظہ فرمائیں:

قرآن مجید سے دلیل:

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿**الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان**﴾ (سورہ بقرہ:۲، آیت:۲۲۹)

ترجمہ: ((طلاق دو بار تک ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا))

آگے مزید ارشاد فرماتا ہے: ﴿**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره ان ظنا ان يقيما حدود الله و تلک حدود الله يبينها لقوم يعلمون**﴾ (سورہ بقرہ:۲، آیت:۲۳۰)

ترجمہ: ((پھر اگر شوہر نے اسے (تیسری) طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ دوسرے شوہر کے پاس رہے)

ان آیات میں تینوں طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے:

(الف) ایک اور دو طلاق تک شوہر کو رجعت کا اختیار ہے کہ چاہے؛ تو عورت کو واپس کر لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

(ب) تیسری طلاق کے بعد رجعت کا اختیار نہیں اور عورت بغیر حلالہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیتوں میں تینوں طلاق کا حکم بیان کر دیا گیا اور طلاق کا حکم مطلق رکھا گیا، کسی مجلس وغیرہ کے ساتھ مختص نہیں۔ لہٰذا طلاق دینے والا دو یا تین طلاق خواہ ایک مجلس، یا الگ الگ مجلس، یا ایک جملہ میں تین طلاق دے بہرحال واقع ہوجائے گی۔

حدیث سے دلیل:

حضرت عامر شعبی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس سے کہا:

آپ مجھے اپنی طلاق کا واقعہ بتائیں؛ تو انہوں نے کہا:

''میرے شوہر نے یمن کے لیے (گھر سے) نکلتے وقت مجھے تین طلاقیں دے دیں؛ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ فرما دیں'' (سنن ابن ماجہ: ج۱ص۶۵۲، باب من طلق ثلا ثافی مجلس واحد، رقم:۲۰۲۴، مطبع: دار إحیاء الکتب العربیۃ)

وہابیوں کے امام شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی قابل قبول احادیث موجود ہیں مگر یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں؛ اس لیے اسی ایک حدیث کے ذکر کرنے کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

صحابی کے عمل سے دلیل:

حضرت مجاہد فرماتے ہیں: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص ان کے پاس آیا اور عرض کی:

''اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے؛ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاموش رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یہ اسے رجعت کا حکم دیں گے، کچھ دیر بعد فرمایا:

''تم میں ایک آدمی حماقت کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا ہے: اے ابن عباس، اے ابن عباس، حالاں کہ اللہ تعالی نے فرمادیا ہے: ﴿**ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا**﴾ ترجمہ: ((جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے (گنجائش کی) راہ نکال دیتا ہے)) اور تم تو اللہ سے ڈرے نہیں؛ تو میں تمہارے لیے کوئی گنجائش کی راہ نہیں پاتا؛ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تیرے نکاح سے نکل گئی'' (ج۲ص۲۶۰، باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، رقم: ۲۱۹۷، مطبع: المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

اجماع سے دلیل:

امام حجۃ الاسلام بصاص رازی حنفی رحمہ اللہ کتاب وسنت و آثار صحابہ سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''حاصل کلام یہ ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سلف سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تینوں طلاقیں لازما ایک ساتھ واقع ہوجاتی ہیں اگرچہ گناہ ہے'' (ج۲ص۸۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

مع اعتراض وجواب مزید تفصیل کے لیے استاذ محترم، محقق مسائل جدیدہ، سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین دام ظلہ صدر شعبہ افتا وصدر جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کی کتاب ''ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم کتاب وسنت کی روشنی میں'' ملاحظہ فرمائیں۔

ب: ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں پڑجاتی ہیں اور ایسی صورت میں شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے وطی کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہی فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو تیسری طلاق دے کر جدا کردیا، پھر اس عورت سے عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا، اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی، انہوں نے اسے آخری تیسری طلاق دے دی، اس کے بعد اس سے عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے شادی کرلی، اور اللہ کی قسم یا رسول اللہ! حال یہ ہے کہ ان کے پاس اس قمیص کے کنارے کی طرح ہے، راوی کہتے ہیں: اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، اور ابن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کمرے کے دروازے کے پاس بیٹھ کر داخل ہونے کی اجازت کا انتظار کررہے تھے، اتنے میں خالد رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلانے لگے: اے ابوبکر! کیا آپ اس عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس طرح کی بات کہنے سے نہیں روکو گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسکراتے رہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((شاید تم رفاعہ سے دوبارہ شادی کرنا چاہتی ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ تم اس سے جماع کرلو......

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

عمان اعلامیہ کا تنقیدی جائزہ

تحریر: مولانا طارق انور مصباحی (کیرالا)

ایک نظر عمان اعلامیہ پر:

اردن کے حکمراں شاہ عبداللہ ثانی بن حسین کا بیان ۹/نومبر ۲۰۰۴ء کو اردن کی راجدھانی عمان سے جاری ہوا۔اس کے بعد شاہ نے اردن کے تمام مسالک کے علما سے ایک استفتا کیا،جس کے جوابات کو اجتماعی فیصلہ کی شکل میں حکومت کے زیرنگرانی ملکی سطح پر جاری کیا گیا۔پھر شاہ اردن نے ۲۰۰۵ء میں مختلف ممالک کے قریباً ۲۰۰/علما کے پاس تین سوالوں پر مشتمل ایک استفتا بھیجا۔سوالات مختصراً یہ ہیں۔

(۱)مسلم کی تعریف کیا ہے؟

(۲) کیا تکفیر جائز ہے؟

(۳)حق افتا کسے حاصل ہے؟

ان سوالات پر علما کے جوابات آئے۔پھر مختلف مقامات پر علما کی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔بہت سے لوگوں نے اس پر تائیدی دستخط بھی کیا۔جن تین امور پر تائیدی دستخط ہوئے ،وہ امور درج ذیل ہیں۔

(۱)جو شخص اہل سنت کے مذاہب اربعہ یعنی حنفی،شافعی،مالکی، حنبلی یا مذہب جعفری،زیدی،اباضی،ظاہری میں سے کسی مذہب کا متبع ہے ،وہ مسلمان ہے۔اس کی تکفیر جائز نہیں۔اس کے خون، عزت، مال کی حرمت ہے۔ نیز شیخ الازہر (ڈاکٹر طنطاوی) کے فتوے کے مطابق اشعری (وماتریدی) عقائد رکھنے والے ،حقیقی تصوف پر عمل کرنے والے اور صحیح فکر سلفی رکھنے والے لوگوں کی تکفیر بھی جائز نہیں۔مزید یہ کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا طبقہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ،اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ارکان ایمان پر ایمان رکھتا ہو، نیز ارکان اسلام کا احترام کرتا ہو،ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہ ہو،اس کی بھی تکفیر جائز نہیں۔

(۲) کثیر اختلافات کے باوجود ان مذاہب کے اندر بیشتر مسائل میں اتفاق پایا جاتا ہے۔آٹھوں مذاہب کے حاملین ،اسلام کے بنیادی اصولوں میں متفق ہیں۔سب ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی،قرآن مجید کے منزل من اللہ کلام ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام نوع بشریت کے لیے نبی ورسول ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔تمام ہی لوگ اسلام کے ارکان خمسہ، شہادت توحید ورسالت،نماز،زکوۃ ،روزۂ رمضان ،حج بیت اللہ ،نیز ارکان ایمان یعنی اللہ پر،اس کے فرشتوں پر،اس کی کتابوں پر،اس کے رسولوں پر،آخرت کے دن پر اور خیر وشر کی تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ان مذاہب کے متبع علما کا اختلاف فروع میں ہے،نہ کہ اصول میں۔اور یہ رحمت ہے۔عہد قدیم سے کہا جاتا رہا ہے۔"ان اختلاف العلماء فی الرای امر جید" (رائے میں علما کا اختلاف اچھی چیز ہے)

(۳)اسلامی مذاہب (فقہی وکلامی) کو قبول کرنے کا مطلب فتاویٰ دینے میں خاص منہج کا التزام کرنا ہے۔اس لیے ان طے شدہ خاص لیاقتوں کے بغیر فتاویٰ نگاری درست نہیں۔جن کی ہر مذہب نے تعیین وتحدید کی ہے۔اسی طرح مناہج مذہب کی پابندی کے بغیر فتویٰ دینا روا نہیں۔نیز کسی کے لیے جائز نہیں کہ اجتہاد کا دعویٰ کرے۔اور نیا مذہب بنالے۔یا ایسے مردود فتویٰ دے جو مسلمانوں کو شریعت کے اصول وقواعد اور اس کے مسلمات سے خارج کردے۔

عمان اعلامیہ پر اجمالی تبصرہ:

(۱)حدیث مصطفوی میں ہے کہ تہتر فرقوں میں سے ایک اہل حق ہوگا۔عمان اعلامیہ میں اہل سنت وجماعت کے علاوہ متعدد جماعتوں کو اہل حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ اس

حدیث کی صریح مخالفت ہے۔عمان اعلامیہ ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر کا خودساختہ مذہب ''دین اکبری'' کی یادتازہ کررہا ہے۔ چند بندگان دینارودرم کا عمان اعلامیہ سے وابستہ ہونا کچھ بعید نہیں۔

(۲)اباضیہ(خوارج کی ایک شاخ)جعفریہ(شیعہ وروافض کی ایک شاخ) زیدیہ(شیعہ وروافض کی ایک شاخ)اورظاہریہ (داؤدظاہری کے متبعین) سے اہل سنت وجماعت کا اصولی یعنی اعتقادی اختلاف ہے۔ان اختلافات کومحض فروعی کہنا امت مسلمہ کوگمراہ کرنا ہے۔

(۳)اہل سنت وجماعت کے مسالک اربعہ کے ذکر کے بعداشعری،ماتریدی اورصوفی مذہب کا ذکربھی امت کوفریب میں ڈالنا ہے۔درحقیقت مذہب اہل سنت وجماعت ہی کوبعض مقامات پرصوفی مذہب کہا جاتا ہے۔اسی طرح اہل سنت وجماعت کے دورہنما امام ابوالحسن اشعری وامام ابومنصور ماتریدی کی مناسبت سے اہل سنت وجماعت کے متبعین کواشعری وماتریدی کہا جاتا ہے۔ان دونوں کے مابین بعض فروعی بلکہ لفظی اختلافات ہیں،ورنہ اصول عقائددونوں کے ایک ہیں۔

(۴)احناف وشوافع وموالک وحنابلہ ہی اہل سنت ہیں۔ان میں سے بعض لوگ فروع اعتقادیہ میں امام اشعری کے متبع ہیں تو انہیں اشعری کہا گیا۔بعض امام ماتریدی کے متبع ہیں،وہ ماتریدی کہلاتے ہیں۔جیسے اہل سنت وجماعت میں سے سلسلہ طریقت کے اعتبار سے بعض قادری،بعض چشتی،بعض نقشبندی اوربعض سہروردی ہیں۔اس لیے جب ان سب کے مذہب کا بیان ہوگا تو''اہل سنت وجماعت'' کہا جائے گا،نہ کہ قادری،چشتی وغیرہ۔

(۵)سلفیت ایک مستقل مذہب ہے۔اس کے قائدین خودکوامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ عقائدامام احمد بن حنبل کے نہ تھے۔عہد حاضر میں سعودیہ عرب کے وہابیہ خودکوسلفی کہتے ہیں۔پروفیسرابوزہرہ مصری نے لکھا:

نقصد بالسلفيين اولئك الذين نحلوا انفسهم ذلك الوصف–و ان كنا سنناقش بعض اٰرائهم من حيث كونها مذهب السلف–و اولئك ظهروا في القرن الرابع الهجري و كانوامن الحنابلة وزعموا –ان جملة اٰرائهم تنتهي الى الامام احمد بن حنبل الذي احيا عقيدة السلف وحارب دونها–ثم تجدد ظهورهم في القرن السابع الهجري –احياه شيخ الاسلام ابن تيمية وشدد في الدعوة اليه واضاف اليه امورًا اخرى قد بعثت الى التفكير فيها احوال عصره–ثم ظهرت تلك الأراء في الجزيرة العربية في القرن الثاني عشر الهجري– احياها محمد بن عبد الوهاب(في الجزيرة العربية)ومازال الوهابيون ينادون بها ويتحمس بعض العلماء من المسلمين لها. (تاریخ المذاہب الاسلامیۃ ص۱۹۰–دارالفکرالعربی قاہرہ)

(ترجمہ)ہم سلفیوں(کے نام) سے ان لوگوں کومراد لیتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اس وصف (سلفیت) کی جانب منسوب کیا۔گرچہ ہم ان کے بعض خیالات پر اس کے مذہبِ اسلاف سے ہونے کے بارے میں اعتراض کریں گے۔(یعنی وہ نظریات،اسلاف کے نہیں ہیں) یہ لوگ چوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوئے اور یہ سب حنبلیوں میں سے تھے-اوران لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے تمام نظریات،حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں،جنہوں نے اسلاف کرام کےعقیدہ کوزندہ کیا تھااور اس(عقیدہ اسلاف کرام) کے مخالفین سے نبردآزما ہوئے۔پھر ساتویں صدی ہجری میں سلفیوں کا دوبارہ ظہور ہوا۔اس کوابن تیمیہ نے زندہ کیااورسلفیت کی دعوت وتبلیغ میں سختی اختیار کیا۔اورسلفیت کی جانب،چند ایسے دوسرے امور کا اضافہ کیا کہ ان مسائل نے ابن تیمیہ کے معاصرین کوان مسائل میں غور وفکر پر ابھار دیا۔پھر (ایک مدت بعد) بارہویں صدی ہجری میں ان نظریات کا ظہور، جزیرہ عرب میں ہو۔اوراسے ابن عبدالوہاب نجدی نے جزیرہ عرب

میں زندہ کیا -اور وہابیہ انہیں افکار ونظریات کی تشہیر کرتے رہتے ہیں۔اور بعض مسلم عالم (جو وہابیت سے متأثر ہو گیا) اس کے لیے جوش وخروش کا اظہار کرتا ہے۔

(٦) عمان اعلامیہ میں امت مسلمہ کوفریب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں فقہی مذاہب کومنظر نامہ پر دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے۔مسالک اربعہ کے علاوہ کسی فقہی مذہب کے اتباع کے سبب حکم تکفیر نہیں آتا، بلکہ محض تضلیل ہوگی۔ کیونکہ دیگر فقہی مذاہب خلاف اجماع ہیں۔اوران چار فقہی مذاہب پر اجماع امت ہو چکا ہے۔ جیسا کہ امام اہل سنت نے ''النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید'' مشمولہ فتاویٰ رضویہ میں تفصیل بیان فرمادی ہے۔لیکن ان فقہی مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد کے اعتبار سے تکفیر وعدم تکفیر کا حکم صادر ہوگا۔

(۷) عمان اعلامیہ میں صرف قادیانی اور اسی کے مماثل بعض فرقوں کو چھوڑ کر تمام گمراہ فرقوں کوسند قبولیت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔فقہ ظاہری کے پردہ میں سلفیوں کو بچانے کی کوشش ہوئی۔فقہ جعفری کہہ کر شیعہ کے موجودہ فرقہ امامیہ پر رحم وکرم کا سایہ ڈالنے کی کوشش ہوئی۔ اسی طرح زیدیہ اوراباضیہ کہہ کر ان فرقوں کو اعتراضات سے پاک اور مسلمان ثابت کرنے کی کوشش ہوئی۔ان چاروں کے عقائد اگر ایسے ہیں جن سے ضروریات اسلام میں سے کسی ضروری دینی کا انکار نہ ہوتا ہوتو متکلمین کے نزدیک یقیناً کافرومرتد نہیں،لیکن گمراہ ضرور ہیں۔اگر کوئی سنی صحیح العقیدہ اہل سنت کے فقہی مسالک اربعہ کے علاوہ کسی اور فقہی مسلک کو اختیار کرے گا تو وہ بھی گمراہ قرار دیا جائے گا۔کیونکہ ان چار فقہی مسالک (حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی) میں سے کسی ایک کے اتباع پر اجماع امت قائم ہو چکا ہے۔

(۸) عمان اعلامیہ کا موضوع چونکہ تکفیر اور عدم تکفیر ہے،اس لیے جہاں ایسے فرقوں کا ذکر کیا جن کی تکفیر نہیں کی جانی چاہیے وہیں ان فرقوں کا بھی ذکر لازمی تھا جن کی تکفیر کی جانی چاہیے یا کم از کم وہ عقائد ونظریات طے کر دیے جاتے جن کی بنیاد پر تکفیر ہوگی تا کہ موضوع کے ساتھ انصاف ہوتا۔حالانکہ یہ سب کومعلوم ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کی بلا سبب تکفیر نہیں کی جاسکتی اسی طرح جو کفر کا ارتکاب کرے اس کی تکفیر ضروریات دین سے ہے، اور قرآن وحدیث میں کفر وشرک کرنے والوں کو جابجا کافر ومشرک کہا گیا ہے۔پھر تکفیر سے علی الاطلاق کف لسان کیوں کیا گیا؟

(۹) رپورٹ کے مطابق عمان اعلامیہ پر بہت سے علما کے دستخط ہیں۔چند علما کے دستخط کو اجماع امت سے تعبیر کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔اور عہد رسالت سے آج تک جن امور پر سواد اعظم کا اجماع قائم رہا ہے،اسے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ یہ گمراہانہ نظریات خود رب تعالیٰ اپنے صالح بندوں کے ذریعہ باطل فرمادے گا۔چونکہ اب تک عمان اعلامیہ پردۂ خفا میں تھا۔اس لیے اس پر کسی نے قلم نہ اٹھایا۔

(۱۰) جعفریہ، زیدیہ، اباضیہ، وظاہریہ کی تکفیر یا تضلیل ماقبل زمانہ میں بھی ہوئی ہے۔بعض مواقع پر ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کی-اور بعض مواقع پر علمائے اہل سنت وجماعت کی جانب سے بھی تکفیر ہوئی ہے۔

ذیل میں ہم فرقہ جعفریہ کے تعلق سے مختصراً عرض کرتے ہیں:

فرقہ جعفریہ حقائق وعقائد کے آئینہ میں:

عہد حاضر میں جب جعفریہ بولا جاتا ہے تو اس سے شیعہ کا فرقہ امامیہ مراد ہوتا ہے۔اسی فرقہ امامیہ کو اثنا عشریہ بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ فرقہ امامیہ اپنی فقہ کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں،اس لیے یہ لوگ خود کو ''جعفری'' کہتے ہیں۔ان کی پوری تاریخ اور عقائد کا تفصیلی بیان شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں دیدی ہے: جس میں ہے کہ امامیہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں، (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۷) انکا اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ ازل میں نہ عالم تھا، نہ سمیع، نہ بصیر۔یہاں تک کہ ساری مخلوقات کی طرح ایک علم اور ایک سمع

اورایک بصر اپنے واسطے پیدا کیا اور عالم وسمیع وبصیر ہوا۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۷۸) نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ، بندہ کے عین مقدور پر قادر نہیں ہے۔واللہ علیٰ کل شئ قدیر(اللہ تعالیٰ ہرشئ پر قادر ہے) ان لوگوں کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۷۹) امامیہ میں سے حکمیہ،سالمیہ،شیطانیہ اور میثمیہ کا عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ جسم والا ہے۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۸۴-استنبول)

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بدأ جائز نہیں۔اس لیے کہ بدأ کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے۔پھر مصلحت دوسری چیز میں ظاہر ہو کہ اس کے پہلے ظاہر نہ تھی پس ارادۂ اول کو فسخ کرے اور دوسرے کا ارادہ کرے۔اس بات سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے۔اور کاموں کا انجام نہیں جانتا۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا(برتر ہے اللہ ان سب باتوں سے،بڑی برتری والا) زراریہ، سالمیہ، بدائیہ اور دیگر گروہ امامیہ میں سے اورانہی طرح مالک جہنی اور دارم بن حکم اور ریان بن صلت وغیرہ اللہ تعالیٰ پر بدأ کو جائز قرار دیتے ہیں۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۱)

اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔اوراللہ کے دربار میں ثواب اور قرب ومنزلت میں غیر نبی، نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔چہ جائیکہ کوئی نبی سے افضل ہوجائے۔اورتمام اسلامی فرقوں کا یہی مذہب ہے، علاوہ امامیہ کے،کہ ان لوگوں کو اس مسئلہ میں بہت قیل وقال ہے۔لیکن اتنی بات پر خود متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔لیکن پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے افضل نہیں ہیں۔بعض نے ان میں سے اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں توقف کیا ہے۔ان ہی متوقفین میں سے ابن مطہر حلی بھی ہے۔اور بعض لوگ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے برابر جانتے ہیں۔

عہد حاضر میں فرقہ امامیہ کے امام اکبر آیت اللہ خمینی ایرانی کا عقیدہ بھی انتہائی غلط ہے۔ڈاکٹر علی محمد محمد صلابی نے لکھا۔"من عقائد الامام الخمینی الفاسدة ما ذكره فی كتابه "الحكومة الاسلامية"-"وان من ضروريات مذهبنا ان لائمتنا مقامًا لايبلغه ملك مقرب ولا نبی مرسل"-وقد ورد عنهم -"ان لنا مع اللّٰه حالات لايسعها ملك مقرب ولا نبی مرسل" (صفحات من التاریخ الاسلامی ج۱ص۲۳)

(ترجمہ) خمینی ایرانی کے فاسد عقائد میں سے وہ ہے جو اس نے اپنی کتاب "حکومت اسلامیہ" میں ذکر کیا کہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کے لیے ایک ایسا مقام ہے جہاں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل نہیں پہنچتے۔

اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اس میں تحریف اور کمی وبیشی کو کچھ دخل نہیں ہوا، نہ ہوگا۔فرقہ امامیہ میں سے اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ آج کے دن یہ قرآن جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، وہ مکمل قرآن نہیں ہے۔بلکہ اس میں بعض زائد الفاظ لوگوں کے داخل کردہ ہیں، اور نہ وہ پورا قرآن ہے جو پیغمبر ﷺ پر نازل ہوا، اور ان کی حیات تک باقی تھا، بلکہ بہت آیتیں اور سورتیں اس سے ساقط کردی ہیں۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۸۰) بلکہ یہ لوگ موجودہ قرآن مجید کو قابل استدلال بھی نہیں مانتے۔(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۵۱) کلینی نے لکھا کہ قرآن جو حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس لائے، اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔فرقہ امامیہ کے معتمد مؤلف کلینی کی روایت کے اعتبار سے دس ہزار سے زائد آیات غائب ہیں۔پس موجودہ متواتر قرآن ان کے یہاں معتبر نہیں۔اس قول سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن محفوظ نہیں۔حالانکہ یہ نظریہ آیت قرآنیہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کے صریح مخالف ہے۔

امامیہ کا اعتقاد ہے کہ امامیہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ صغیرہ وکبیرہ پر عذاب نہیں کیا جائے گا، نہ قیامت کے دن، نہ قبر میں-اور یہ عقیدہ ان کا بالاتفاق ثابت ہے۔اسی سبب سے ترک واجبات

وارتکاب گناہ میں نہایت دلیر ہیں۔دلیل اس پر یہ پیش کرتے ہیں کہ محبت علی کی کافی ہے۔اسی سے نجات وخلاصی ہے۔

فرقہ امامیہ کی چار کتابیں بہت قابل اعتماد ہیں۔تفصیلات کے لیے انھیں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱) کتاب الکافی فی علم الدین (۲) من لایحضرہ الفقیہ (۳) الاستبصار فیما اختلف فیہ من الاخبار (۴) تہذیب الاحکام۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا قادری (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے رسالہ ''ردالرفضہ'' میں دو امر تمام شیعوں کے مابین قدر مشترک مان کر تکفیر کلامی فرمائی ہے۔اولاً صرف تبرائی رافضیوں کا کفر فقہی ثابت کیا۔پھر عہد حاضر کے شیعوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ صرف تبرائی نہیں، بلکہ ضروریات دین کے منکر ہیں۔

امام اہل سنت نے تحریر فرمایا۔''یہ حکم فقہی مطلق تبرائی رافضیوں کا ہے۔اگرچہ تبرا وانکار خلافت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا ضروریات دین کا انکار نہ کرتے ہوں۔

''**والاحوط فیہ قول المتکلمین،انھم ضلال من کلاب النار-لاکفار و بہ ناخذ**'' (اس میں محتاط متکلمین کا قول ہے کہ وہ گمراہ اور جہنمی کتے ہیں، کافر نہیں-اور یہی ہمارا مسلک ہے)

اور روافض زمانہ تو ہرگز صرف تبرائی نہیں۔بلکہ یہ تبرائی علی العموم منکران ضروریات دین اور باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کفار ومرتدین ہیں۔یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انہیں کافر نہ جانے،خود کافر ہے۔بہت عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح میں ان کے عالم،جاہل،مرد،عورت،چھوٹے،بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں۔

کفر اول: قرآن مجید کو ناقص بتاتے ہیں۔کوئی کہتا ہے۔اس میں سے کچھ سورتیں امیر المؤمنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں۔کوئی کہتا ہے، کچھ لفظ بدل دیئے۔کوئی کہتا ہے، یہ نقص وتبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں، محتمل ضرور ہے-اور جو شخص قرآن مجید میں زیادت یا نقص یا تبدیل، کسی طرح کے تصرف بشری کا دخل مانے یا اسے محتمل جانے،بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحتاً قرآن عظیم کی تکذیب کررہا ہے۔اللہ عزوجل سورہ حجر میں فرماتا ہے۔﴿**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ**﴾ (رسالہ ردالرفضہ ص۲۵۹-مشمولہ فتاویٰ رضویہ ج۱۴-جامعہ نظامیہ لاہور)

کفر دوم: ان کا ہر متنفس سیدنا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیاء سابقین علیہم الصلوات والتحیات سے افضل بتاتا ہے۔اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے، باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔شفاء شریف صفحہ ۳۶۵/ میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے۔''**وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضہ فی قولھم ان الائمۃ افضل من الانبیاء**'' (اور اسی طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں ان غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیا سے افضل بتاتے ہیں) (رسالہ ردالرفضہ ص۲۶۲-مشمولہ فتاویٰ رضویہ ج۱۴-جامعہ نظامیہ لاہور)

امام اہل سنت نے ماضی قریب کے چار شیعہ علما کے فتاویٰ نقل کیے،جن میں انہوں نے اقرار کیا ہے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے-اور ائمہ اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرات انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں۔اس کے بعد آپ نے لکھا۔

''روافض علی العموم اپنے مجتہدوں کے پیروکار ہوتے ہیں، اگر بفرض غلط کوئی جاہل رافضی ان کھلے کفروں سے خالی الذہن بھی ہو تو فتوائے مجتہدان کے قبول سے اسے چارہ نہیں-اور بفرض باطل یہ بھی مان لیجیے کہ کوئی رافضی ایسا نکلے جو اپنے مجتہدین کے فتویٰ بھی نہ مانے تو الاقل اتنا یقیناً ہوگا کہ ان کفروں کی وجہ سے اپنے مجتہدوں کو کافر نہ کہے گا، بلکہ انہیں اپنے دین کا عالم وپیشوا ومجتہد ہی جانے گا اور جو کسی کافر منکر ضروریات دین کو کافر نہ مانے خود کافر ومرتد ہے''۔(رسالہ ردالرفضہ ص ۲۶۵-مشمولہ فتاویٰ رضویہ ج۱۴-جامعہ نظامیہ لاہور)

علامہ بدالقادری مصباحی ہالینڈ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے اسلام اور خمینی مذہب۔ تفصیل کے لیے اس کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام!

مذکورہ تفصیلات عمان اعلامیہ میں بیان کردہ صرف ایک فرقہ یعنی جعفری کے بارے میں ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح حقائق کو نظر انداز کر کے زیدی، اباضی اور ظاہری کو اہل حق ہونے کی سند دیدی گئی ہے۔ مختصراً ہم چند حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم ان پر بھی تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

فرقہ زیدیہ کے عقائد:

زیدیہ فرقہ اول صرف وہ حضرات ہیں جنھوں نے حضرت زید بن علی کے ہاتھ پر بیعت کیا۔ بعد کے لوگوں نے معتزلہ اور شیعہ کے عقائد کو اختیار کر لیے۔ فرقہ اول ''تفضیلیہ'' کے مماثل ہے۔ مابعد فرقوں کے عقائد جیسے ہوئے اسی کے مطابق ان پر حکم شرع جاری ہوگا۔ عہد حاضر میں روافض کے دو ہی فرقہ موجود ہیں۔ امامیہ اور زیدیہ۔ ابتدائے امر میں زیدیہ کا شمار روافض میں نہیں تھا۔ بلکہ امام زید بن علی کو چھوڑ دینے والے روافض کہلاتے تھے۔ پھر بعد میں زیدیہ کے عقائد بھی روافض کی مثل ہوئے۔ اور زیدیہ کا شمار بھی روافض میں ہونے لگا۔ یہ لوگ بھی عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں (تحفہ ۴۹۱)

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا۔ ''جو کچھ قرآن وحدیث میں سوال قبر اور حساب اور وزن اعمال اور نامے نیکی، بدی کے ہر کسی کو دینا اور صراط وحوض اور شفاعت کی بابت آیا ہے، سب کے جو ظاہر معنٰی ہیں، وہی مراد ہیں۔ سوائے ظاہر کے اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح بہشت ودوزخ حق ہیں۔ اور موجود ہیں۔ اوران دونوں کی تفصیلیں مثلاً درخت اورنہریں اور حور وقصور اور میوے اور پھل اور سانپ اور بچھو اور درد وآفت اور پوست بدن کا پکنا اوران کا تبدیل ہونا دوسری پوستوں کے ساتھ سب حق ہیں۔ یہ مذہب اہل سنت کا ہے۔ مگر اکثر فریق رافضی جیسے زیدیہ اور اسماعیلیہ ان چیزوں سے انکار کرتے ہیں اور تاویلیں لاتے ہیں''۔ (ایضاً ص ۴۹۶، ۴۹۷)

بلکہ یہ لوگ قرآن کو حادث مانتے ہیں (مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۵۸۲- داراحیاء التراث العربی بیروت)

زیدیہ معتزلہ رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ ج ۱ ص ۱۳۶)

اسفرائینی نے زیدیہ کے فرقہ سلیمانیہ کے بارے میں لکھا۔

''وکفرهم اهل السنة والجماعة بتكفيرهم عثمان''

(التبصیر فی الدین ج ۱ ص ۲۹)

(ترجمہ) اہل سنت وجماعت نے فرقہ سلیمانیہ کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کے سبب ان (فرقہ سلیمانیہ) کی تکفیر کی۔

فرقہ اباضیہ کے عقائد:

فرقہ اباضیہ عبداللہ بن اباض مقاعسی مری تمیمی (م ۸۶ھ) کے متبعین ہیں۔ یہ خوارج کا ایک فرقہ ہے۔ اس کے بہت سے عقائد معتزلہ کی طرح ہیں۔ ماضی میں اباضیہ کے متعدد گروپ تھے۔ حافظ ابن عماد حنبلی (۱۰۳۲ھ-۱۰۸۹ھ) نے فرقہ اباضیہ کے فتنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ سال ۱۳۰ھ میں اباضیہ کا فتنہ ہوا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اہل قبلہ میں سے ہمارے مخالفین کافر ہیں۔ اور گناہ کبیرہ کا مرتکب موحد اور غیر مومن ہے، اس بنیاد پر کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ اوران لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ اور اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر کی۔ (ملخصاً شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۷- دارالکتب العلمیہ بیروت)

عہد حاضر میں فرقہ اباضیہ عمان، حضرموت، افریقہ، تنزانیا، لیبیا، جزائر، تیونس وغیرہ کے علاقوں میں موجود ہیں۔ (اصول و تاریخ الفرق ج ۱ ص ۶۶)

امام مالک (۹۳ھ-۱۷۹ھ) نے فرقہ قدریہ اور اباضیہ کے

بارے میں فرمایا۔ان کے مردوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔اور نہ ان کے جنازہ کے پیچھے چلا جائے گا اور نہ ان کے مریضوں کی عیادت کی جائے گی۔(المدونۃ الکبریٰ ج۱ص۴۶۲)

امام اشعری نے فرقہ اباضیہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ تمام خوارج خلق قرآن کا قول کرتے ہیں۔(مقالات الاسلامیین ج۱ص۱۰۸)

اباضیہ نے حضرت علی مرتضی اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تکفیر کی۔(المواقف ج۳ص۶۹۴ - دارالجیل بیروت)

فرقہ اباضیہ عہد حاضر میں:

(۱)احمد بن حمد خلیلی اباضی جس کا دستخط ''عمان اعلامیہ'' پر ہے۔اس کی ایک کتاب ۲۳۹/صفحات پر مشتمل ۱۴۰۹ھ میں ''الحق الدامغ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔اس میں درج ذیل تین موضوعات پر خاص کلام کیا گیا ہے۔

(۱) قیامت کے دن دار آخرت میں مومنین کو رب تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا۔(۲) قرآن مخلوق ہے۔(۳) فاسق ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

خلیلی اباضی کے جواب میں ایک کتاب ڈاکٹر علی بن محمد ناصر فقیہی سلفی نے ''الرد القویم البالغ علیٰ کتاب الخلیلی الاباضی المسمی بالحق الدامغ''،لکھی ہے۔جو دار المآثر مدینہ منورہ سے شائع ہوئی ہے۔خلیلی کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اباضیوں کے آج بھی وہی عقائد ہیں، جو ماضی میں تھے۔(تفصیل کے لیے دیکھیں الرد القویم البالغ علی الخلیلی الاباضی ج۱ص۵)

فرقہ ظاہریہ کے عقائد:

فرقہ ظاہریہ، داؤد بن علی ظاہری اصبہانی (۲۰۱ھ-۲۷۰ھ) کی طرف منسوب ہے۔ظاہریہ کے بعض عقائد معتزلہ وخوارج کی طرح ہیں۔یہ لوگ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں۔رب تعالیٰ کے لیے مخلوقات کی طرح ہاتھ پاؤں اور اعضا مانتے ہیں۔یہ لوگ قیاس کے بھی منکر ہیں۔

داؤد ظاہری (۲۰۱ھ-۲۷۰ھ) کے نزدیک قرآن حادث ہے۔پس ائمہ محدثین کی جماعت داؤد کے خلاف ہوگئی- اور اس کے قول کا انکار کیا اور اسے بدعتی قرار دیا۔(سیر اعلام النبلاء ج۱۳ص۱۰۱)

(۱) قاضی عیاض مالکی (۴۷۶ھ-۵۴۴ھ) نے لکھا کہ عبیداللہ بن حسن عنبری معتزلی بصری (م ۱۶۸ھ) داؤد اصبہانی ظاہری وغیرہ نے ایسے لوگوں کو جنھوں نے اصول دین میں اختلاف کیا انھیں معذور قرار دیا خواہ وہ ہمارا ہم مذہب ہو یا غیر، بلکہ یہ تک لکھا کہ بہت سے عام افراد اور عورتیں اور بیوقوف لوگ اور یہود ونصاریٰ کے متبعین وغیرہ کہ ان کے خلاف رب تعالیٰ کو کوئی حجت نہیں ہے۔اس لئے کہ ان کے پاس ایسی عقلیں نہیں تھیں جن سے وہ استدلال کرسکیں ۔ پھر قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان تمام (اقوال) کا قائل کافر ہے ،اس وجہ سے کہ جس نے یہود ونصاریٰ اور دین مسلمین سے جدا ہوجانے والے میں سے کسی ایک کو کافر نہیں کہا یا اس کی تکفیر میں توقف کیا یا شک کیا اس کے کفر پر اجماع ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث اور اجماع ان کے کفر پر متفق ہیں۔(ملخصاً کتاب الشفاج ۲ص۲۸۱)

(۱)امام شاطبی مالکی (م۷۹۰ھ) نے لکھا کہ اس کی مثال ظاہریہ کا مذہب ہے جو رب تعالیٰ کی لیے وہ چیزیں ثابت کرتے ہیں جو حوادث اور مخلوقات کے لیے ثابت ہیں یعنی ہاتھ، پاؤں، آنکھ، چہرہ وغیرہ ہے ۔(ملخصاً الاعتصام ج۱ص۲۴۰ -المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر)

(۲)امام احمد رضا خاں قادری (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے لکھا کہ ظاہریہ علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے جیسا کہ توضیح وغیرہ میں ہے کہ یہ سب امت اجابت میں سے نہیں ہے، یہ لوگ امت دعوت میں سے ہیں جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح وغیرہ میں ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج۵ص۳۷۵ -رضا اکیڈمی ممبئی)

(بقیہ صفحہ۵۴پر)

اقامت بیٹھ کر سننے کا حکم دلائل کی روشنی میں

تحریر: مولانا حسان المصطفیٰ امجدی ☆

اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کو کب کھڑا ہونا چاہیے۔ اس تعلق سے جب ہم نے احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیا، صحابہ کرام کے قول وعمل کو دیکھا، فقہاے عظام کی عبارتوں پر نظر ڈالی تو واضح ہو گیا کہ کلمات اقامت بیٹھ کر سننا اور ''حی علی الفلاح'' کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور بعض فقہا نے اسے مسنون قرار دیا ہے۔ اقامت شروع ہوتے ہی یا مؤذن کے حی علی الفلاح کہنے سے قبل کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ حدیث رسول، معمولات صحابہ اور نصوص فقہا کی صراحت کے خلاف ہے۔ اقامت کے وقت کھڑے ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔ جسے فقہاے کرام نے دلائل و براہین کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ لیکن ہم عام طور سے پیش آنے والی ایک صورت پر گفتگو کریں گے۔ البتہ قارئین کے افادے کے لیے وہ چند صورتیں دلائل سے قطع نظر اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

(۱) امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے تو جب تک مکبر پوری تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے تمام مقتدی بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو

(۲) امام اور مکبر الگ الگ شخص ہوں اور اقامت کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، اور پھر قبلہ کی طرف سے مسجد میں آ رہا ہے، تو مصلیان نہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہوں، نہ حی علی الفلاح کے وقت۔ بلکہ بیٹھے رہیں۔ جب امام پر نگاہ پڑے اس وقت کھڑے ہوں۔ آج کے دور میں یہ صورت نادر ہے۔

(۳) امام اور مکبر دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں حاضر نہیں ہے اور مشرق کی طرف سے یا جہت قبلہ کے خلاف سے آ رہا ہے۔ تو جس جس صف سے آگے بڑھتا جائے، اس صف کے مقتدی کھڑے ہو جائیں۔ اس صورت میں بھی مقتدیوں کو ابتداے اقامت یا حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں ہے۔

(۴) امام مسجد میں موجود ہے اور مؤذن غیر امام ہے اس صورت میں امام اور مقتدی کو حکم ہے کہ بیٹھے رہیں۔ یوہیں دوران اقامت مسجد میں آنے والے مقتدیوں کو کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے انہیں بھی حکم ہے کہ بیٹھ جائیں۔ جب مکبر حی علی الفلاح کہے تو امام اور تمام مقتدی کھڑے ہو جائیں۔

ہماری گفتگو کا محور یہی آخری صورت ہے۔ موجودہ زمانہ میں عمومی طور پر یہی صورت پائی جاتی ہے، جسے ہم دلائل و براہین سے ثابت کریں گے۔ چناں چہ بخاری شریف میں ہے: **''عن ابی قتادۃ عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔''** [بخاری شریف: ج ۱ ص ۸۸، باب متی یقوم الناس۔ مسلم: ج ۱ ص ۲۲۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اقامت کہی جائے تو تم لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہونا جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔

منقولہ حدیث پر یہ وہم ہوتا ہے کہ حدیث سے یہ حکم تو اس وقت ثابت ہوگا جب کہ امام مسجد میں حاضر نہ ہو۔ رہی یہ صورت کہ اگر ابتداے اقامت کے وقت امام مسجد میں موجود ہے، تو کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ دفع توہم کے طور پر کہا جائے گا کہ مخالفین کے لیے بھی یہ حدیث دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ حدیث میں قیام سے نہی ہے اور نہی سے قیام پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ (۲) یہ خیال کرنا کہ ''کوئی حرج نہیں''۔ صاحب بدائع نے اسے غلط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: **''انا نمنعهم عن القیام کیلا یلغو قوله حی علی الفلاح لان من وجدت منه المبادرۃ الیٰ شئ فدعاء ہ الیه بعد تحصیله ایاہ لغو من**

☆ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو یوپی موبائل: 08604443188

الکلام. ''[ج ا/ص ۴۶۷]

یعنی ہم پہلے کھڑے ہونے سے اس لیے منع کرتے ہیں، تاکہ مؤذن کا قول حی علی الفلاح لغو نہ ہوجائے۔ کیونکہ جس شخص نے کسی چیز کی طرف پیش قدمی کرلی تو اب اس کو اسی شے کی طرف بلانا یقیناً لغو کلام ہے۔

یعنی پہلے کھڑے ہونے میں یہ حرج ہے کہ مؤذن کا قول حی علی الفلاح لغو اور بیکار ہوجائے گا۔ لہٰذا اسے لغو ہونے سے بچایا جائے۔

(۳) صحابۂ کرام کا عمل بھی علمائے احناف کے مطابق اور ذکر کردہ وہم کے برخلاف ہے، حالانکہ صحابہ کرام سے زیادہ کون حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے والا اور سنن ومستحبات بجالانے والا ہوگا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں جلیل القدر صحابی، سفر وحضر میں حضور کے ساتھ رہنے والے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بیان کرتے ہیں:

''عن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰة رواه ابن المنذر وغيره.'' [ج ۳/ص ۴۶۲]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب موذن قد قامت الصلوۃ کہتا۔

مبسوط میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل یوں منقول ہے:

''وابو يوسف احتج بحديث عمر رضى الله تعالىٰ عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم في المحراب'' [۱/۱۰۵] امام ابو یوسف نے حضرت عمر فاروق کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مؤذن کے اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔

بدائع الصنائع میں ہے: **''وروى عن على رضى الله تعالى عنه انه دخل المسجد فراى الناس قياما ينتظرونه قال مالى اراكم سامدين اى واقفين متحيرين.''** [ج ا/ص ۴۶۸] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے کھڑے انتظار کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا ہوا ہے کہ لوگوں کو متحیر و پریشان کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

ان روشن تصریحات سے صحابہ کرام کا عمل خوب آشکارا ہوگیا کہ یہ حضرات بھی ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے نہیں ہوتے تھے، بلکہ قد قامت الصلوٰۃ یا اختتام اقامت کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔

آیئے اس تعلق سے ائمہ مجتہدین کا موقف جانتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے: کوئی بھی ابتدائے اقامت یا اثنائے اقامت کے وقت کھڑا نہ ہو۔ سب بیٹھے رہیں۔ جب پوری اقامت ختم ہوجائے تو لوگ نماز کے لیے اٹھیں۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے: **''ومذهب الشافعي وطائفةانه يستحب ان لايقوم حتى يفرغ المؤذن من الاقامة.''** [ج ۴/ص ۲۱۵] امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے، لوگوں کے لیے مستحب ہے کہ کھڑے نہ ہوں۔

التعلیق المجد میں ہے: **''قوله انه يقوم الى الصلوٰة اختلفوا فيه فقال الشافعي والجمهور يقومون عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابى يوسف.''** یعنی نماز کے لیے کب کھڑا ہو اس صورت میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ اقامت سے فراغت کے وقت تمام لوگ کھڑے ہوں۔ یہی امام ابو یوسف کا ایک قول ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے: کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے، تو امام اور مقتدی کھڑے ہوجائیں، اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔ جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں ہے: **''وقال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوقيقوم.''** [ج ۴/ص ۲۱۵] امام احمد بن حنبل رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہوجائیں۔

نووی شرح مسلم میں ہے:''وکان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ وبہ قال احمد.''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔اسی کے قائل امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ:امام اور قوم کے لیے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں،نہ ابتداءً نہ انتہاءً۔ لیکن اکثر علماے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ اگر امام مسجد میں ہوتو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے،اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں۔

عون المعبود شرح ابوداود وفتح الباری شرح بخاری میں ہے:

''وقال مالک في الموطا لم أسمع في قيام الناس حين تقام الصلوٰۃ بحد محدود الا أني أرى ذلک على طاقة الناس فان فيهم الثقيل والخفيف، وذهب الاكثرون الى أنهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى يفرغ من الاقامة''۔

یعنی موطا میں امام مالک نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے لیے کس مقرر وقت پر لوگ کھڑے ہوں،اس تعلق سے میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں کیوں کہ نمازی بعض وزنی اور بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے ہوتے ہیں۔اکثر علماے مالکیہ کا یہ موقف ہے کہ کہ جب امام مسجد میں موجود ہوتو جب تک اقامت ختم نہ ہوجائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں۔

ہمارے امام،امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوجائیں۔ایک روایت میں ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔

عمدۃ القاری میں ہے:''وقال أبوحنيفة ومحمد يقومون في الصف اذا قال حيَّ على الصلوٰۃ.''[۴/۲۱۵]

امام اعظم اور امام محمد کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے اس وقت تمام لوگ کھڑے ہوجائیں۔

فتح الباری میں ہے:''وعن أبي حنيفة يقومون اذا قال حي على الفلاح.''امام اعظم سے مروی ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:''وعند زفرو حسن ابن زياد يقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ في المرة الاولىٰ.''[ج۱رص۴۶۸]

امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک یہ ہے کہ پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت لوگ کھڑے ہوجائیں۔

مذکورہ تصریحات سے بالکل صاف ہوگیا کہ امام شافعی،امام احمد بن حنبل اور اکثر علماے مالکیہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا وہی مذہب ہے جو جمہور علماے احناف کا مذہب ہے،کہ شروع اقامت کے وقت کھڑا ہونا ممنوع ومکروہ اور قد قامت الصلوٰۃ یا اختتام اقامت یا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ومشروع۔

اس سلسلے میں فقہاے احناف اور مشائخ کرام کے اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

فقہ حنفی کی مستند ومعتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ارشد تلامذہ میں سے امام ابو یوسف وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب یہ ہے:کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوں:

''ان كان المؤذن غير الامام وكان القوم مع الامام فى المسجد فانه يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حى على الفلاح عند علمائنا الثلاثة،وهو الصحيح''[ج۱رص۵۷]یعنی اگر مؤذن غیر امام ہو اور لوگ امام

کے ساتھ مسجد میں موجود ہوں تو جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور سارے لوگ کھڑے ہوجائیں۔یہی ہمارے علماے ثلاثہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔

واضح ہو کہ مسجد سے مراد نماز جماعت کی جگہ ہے خواہ اندرون مسجد ہو یا دالان مسجد یا صحن مسجد یا مسجد کی بالائی منزل پر ہو یا جماعت مسجد کے علاوہ کہیں اور قائم ہو رہی ہو۔جب کہ امام مصلیٰ امامت پر ہو یا قرب مصلیٰ یا مسجد یا محراب یا قرب محراب میں ہو۔اسی کو فقہاے کرام نے مختلف الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:''**والجملة فيه ان المؤذن اذا قال: حيَّ على الفلاح فان كان الامام معهم في المسجد يستحب للقوم ان يقوم في الصف.**'' [ج ارص ۴٦۷]

خلاصۂ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے،اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو تمام لوگوں کے لیے مستحب ہے کہ صف میں کھڑے ہوجائیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:''**والقيام حين قيل حي على الفلاح لانه امر به فيستحب المسارعةاليه .**''[ج ۲رص ۳۴]

مکبر کے حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے ،اس لیے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے۔

اسی میں امام کردری سے ہے:''**والسنة ان يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح .**''[۳۴/۲]

یعنی جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو امام اور قوم کا کھڑا ہونا سنت ہے۔

تبیین الحقائق کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امام کردری کے نزدیک حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مسنون ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:''**ومن الادب (القيام)اي قيام القوم والامام ان كان حاضرا بقرب المحراب (حين قيل)اي وقت قول المقيم (حي على الفلاح)لانه امر به فيجاب .**''[ص ۲۷۷،فصل من آدابہا]

مستحبات نماز سے یہ ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو امام اور نمازی کھڑے ہوجائیں۔اس لیے کہ مؤذن نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے۔

مزید تائید وتقویت کے لیے البحر الرائق شرح کنز الدقائق کا یہ جزئیہ ملاحظہ ہو:''**لانه امر به فيستحب المسارعةاليه .اطلقه، فشمل الامام والماموم ان كان الامام بقرب المحراب .**''[ج ارص ۵۳۱]

(مکبر کے حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہونا اس لیے مستحب ہے) کیوں کہ مکبر نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کی طرف پیش قدمی کرنا مستحب ہے۔ماتن نے اس کو مطلق رکھا ہے لہٰذا یہ حکم امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے جب کہ امام محراب کے قریب ہو۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:''**والقيام لامام وموتم حين قيل حي على الفلاح ان كان الامام بقرب المحراب.**''[ج ارص ۱۷۷]

اگر امام محراب کے قریب ہو تو جس وقت حی علی الفلاح کہا جائے،امام اور مقتدیوں کو کھڑا ہونا مستحب ہے۔

ان تمام جزئیات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو امام اور نمازی کھڑے ہوجائیں،لیکن بعض کتب فقہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ مقتدی اور امام حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔چنانچہ شرح وقایہ جلد اول،صفحہ ۱۳٦ پر ہے:''**يقوم الامام والقوم عند حي على الصلوٰة.**'' امام اور مقتدی حی علی الصلوۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے:**قال ائمتنا يقوم الامام والقوم عند حي على الصلوٰة.**''[ص ۴۱۹]

یعنی ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ امام اور قوم حی علی الصلوۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: ”فقہا گفتہ اند مذہب آنست نزد حی علی الصلوٰۃ باید برخاست۔“

فقہاے عظام نے ارشاد فرمایا: کہ مذہب یہی ہے کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہو۔[ج ا رص ۳۲۱]

علامہ ابن عابدین شامی درمختار میں فرماتے ہیں:

”قوله حين قيل حيَّ على الفلاح كذا في الكنز ونور الايضاح والاصلاح والظهيرية والبدائع وغيرها والذي في الدرر متنا وشرحا عند الحيعلة الاولىٰ يعني حيث يقال حيَّ على الصلوٰة اهـ. وعزاه الشيخ اسماعيل في شرحه الى عيون المذاهب والفيض والوقاية والنقاية والحاوى والمختار اهـ. قلت واعتمده فى الملتقى وحكى الاول بقيل لكن نقل ابن الكمال تصحيح الاول ونص عبارته: قال في الذخيرة يقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حيَّ على الفلاح عند علمائنا الثلثه .“[ج ا رص ۴۷۷]

یعنی ماتن کا قول کہ امام اور مقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ایسا ہی کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ، بدائع، وغیرہا میں ہے۔درر اور اس کی شرح میں ہے کہ مقتدی اور امام حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔شیخ اسماعیل نے اس موقف کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ، حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا ہے۔امام شامی فرماتے ہیں: اسی پر ملتقی میں اعتماد کیا گیا ہے، اور قول اول کو (بصیغۂ تمریض) قیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ان کی عبارت یہ ہے: ذخیرہ میں فرمایا کہ ہمارے علماے ثلاثہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو امام اور قوم کھڑے ہوجائیں۔

بعض فقہا نے قول اول کو اور بعض نے قول ثانی کو راجح قرار دیا ہے۔لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے بظاہر متعارض ان دونوں قولوں کی نہایت خوب صورت تطبیق فرمائی ہے۔فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک کوئی تعارض نہیں، لہٰذا حی علی الصلوٰۃ کے اختتام پر اٹھے اور حی علی الفلاح کے ابتدا کے وقت سیدھا کھڑا ہوجائے۔

فتاوی رضویہ میں ہے۔

”ولا تعارض عندي بين قول الوقاية واتباعها يقومون عند حي على الصلوة والمحيط والمضمرات ومن معهما عند حيَّ على الفلاح، فانا اذاحملنا الاول على الانتهاء والأخر على الابتداء اتحد القولان، أي يقومون حين يتم المؤذن حيَّ على الصلوٰة ويأتي حيَّ على الفلاح .“[ج ۲رص ۳۴۸]

مذکورہ اقوال فقہا سے ہمارا موقف خوب واضح ہوگیا کہ اقامت بیٹھ کر سننا مستحب اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔مقتدی اور امام سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے یوں ہی ابتداے اقامت کے وقت کھڑے ہونے یا دوران اقامت مسجد میں آنے والے کا کھڑے ہوکر انتظار کرنے کی ممانعت اور کراہت پر بے شمار علماے احناف کے اقوال موجود ہیں۔

چنانچہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: **”واذا اخذ المؤذن فى الاقامةودخل رجل فى المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائمافانه مكروه كما فى المضمرات قهستانى. ويفهم منه كراهةالقيام ابتداء الاقامةوالناس عنه غافلون .“**[ص ۲۷۸، فصل من آدابہا]

یعنی جب مؤذن نے تکبیر شروع کردی اور کوئی شخص مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے، کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے، کہ یہ مکروہ ہے۔جیسا

کہ مضمرات میں ہے۔اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

عالمگیری میں ہے:''اذا دخل رجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائماولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ الموذن قوله حی علی الفلاح.''[ج ۱/ص ۵۷]

جب کوئی شخص اقامت کے وقت آئے تو اس کے لیے کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے۔بیٹھ جائے۔جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہوجائے۔

درمختار میں ہے:دخل المسجد و المؤذن یقیم قعد۔

کوئی مسجد میں آئے اور مؤذن اقامت کررہا ہوتو بیٹھ جائے۔اسی کے تحت علامہ ابن عابدین شامی رقمطراز ہیں:

''یکره له الانتظار قائماولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔''[ج ۱/ص ۲۶۸]اس کے لیے کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے،جب مکبر حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہوجائے

البحرالرائق میں ہے:''ولو اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجدفانه یقعد الی ان یقوم الامام في مصلاه.''[ج ۱/ص ۴۴۷]

اگر مؤذن نے اقامت شروع کردی اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو بیٹھ جائے یہاں تک کہ امام مصلیٰ پر کھڑا ہوجائے۔

عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:''اذا دخل المسجد یکره له انتظار الصلوٰة قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات.''[ج ۱/ص ۱۳۶]

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:''دخل المسجد وهو یقیم یقعد و لا یقف قائما.''[ج ۴/ص ۲۵]

جامع الرموز جلد اول ص ۵۸ پر ہے:''لو دخل المسجد احد عند الاقامة یقعد لكراهةالقیام و الانتظار كما فی المضمرات.''

مذکورہ بالا عبارتوں سے اس بات کا تحقیقی ثبوت فراہم ہوگیا کہ اثنائے اقامت مسجد میں داخل ہونے والا شخص بیٹھ جائے، کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے،کہ فقہا نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان اقامت آنے والا شخص جو کھڑا ہے اسے کھڑے کھڑے تکبیر سننے کی ممانعت ہے،تو بیٹھنے والے کو ابتدائے اقامت کے وقت کھڑے ہونے کی بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہوگی۔

دوران اقامت آنے سے یہ مراد ہے کہ مؤذن کے قول اللہ اکبر یا اشہدان لا الہ الا اللہ یا اشہدان محمدا رسول اللہ کے وقت اور قبل حی علی الفلاح آئے،تو اسے حکم ہوگا کہ بیٹھ جائے۔اور حی علی الصلوۃ کے وقت آنے والے کو بوجہ قول ثانی بیٹھنے کا حکم نہیں ہونا چاہیے۔یوں ہی حی علی الفلاح کے وقت یا اس کے بعد آنے والے شخص کو بیٹھنے کا حکم لغو،لایعنی ہے۔جب کہ امام مسجد میں موجود ہو۔واللہ اعلم

اور بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ہم امام یا مکبر کی تعظیم کے لیے اٹھتے ہیں۔نصوص فقہا کے سراسر خلاف ہے کیوں کہ قیام کا حکم نماز کے لیے ہے نہ کہ امام یا مکبر کی تعظیم کے لیے۔

بدائع الصنائع میں ہے:''ولان القیام لاجل الصلوٰة.''[ج ۱/ص ۲۶۸]اس لیے کہ قیام ''نماز کے لیے'' ہے

مؤطا امام محمد میں ہے:''قال محمد ینبغی للقوم اذا قال الموذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰة.''امام محمد فرماتے ہیں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے،تو قوم کے لیے مستحب ہے کہ ''نماز کے لیے کھڑے ہوجائیں''۔(باب تسویۃ الصّف ص ۸۸)

شرح کنز میں ہے:''والقیام الی الصلوٰة حین قیل حی علی الفلاح.''جس وقت حی علی الفلاح کہا جائے تو ''نماز کے لیے'' کھڑا ہونا چاہیے۔[ج ۱/ص ۵۳۱]

اگر امام کی تعظیم ہی کے لیے کھڑے ہونے کا حکم ہوتا تو امام کے اقامت کہنے کے وقت مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم نہ ہوتا حالانکہ اس صورت میں جب تک امام پوری تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے کھڑے ہونے کی ممانعت ہے۔جیسا کہ عالمگیری میں ہے:''ان کان المؤذن والامام واحدافان اقام في المسجد فالقوم لايقومون ما لم يفرغ من الاقامة.''[ج ا رص ۵۷]

یعنی اگر امام ومؤذن ایک ہی آدمی ہواور امام نے مسجد میں اقامت شروع کردی تو جب تک اقامت سے فارغ نہ ہوجائے،مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

درمختار میں ہے:''اذا اقام الامام بنفسه في مسجدفلا يقفوا حتى يتم اقامته ظهيرية.''[ج ا رص ۱۷۷]

جب امام مسجد میں خود تکبیر کہے،تو جب تک اقامت پوری نہ کرلے،نمازی نہ کھڑے ہوں۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے:''هذا كله اذا كان المؤذن غير الامام فان كان واحداو اقام في المسجد فالقوم لايقومون حتى يفرغ من الاقامة.''[ج ا رص ۵۳۱]

یعنی حی علی الفلاح کے وقت اٹھنا اس صورت میں ہے جب کہ مؤذن غیر امام ہو۔اگر امام اور مؤذن ایک ہی شخص ہواور امام مسجد میں اقامت کہہ رہا ہے،تو جب تک اقامت ختم نہ کرلے، مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

شروع اقامت سے ہی کھڑے ہونے سے ممانعت پر متعدد نصوص ودلائل فقہی کتابوں کے حوالے سے گذرے۔ اور تمام صورتوں پر علمائے احناف کی عبارات پیش کردی گئیں۔یوں ہی حی علی الفلاح کے وقت قیام پر ہم نے فقہی جزئیات کا مشاہدہ کرایا جس سے مذہب امام اعظم ابوحنیفہ آفتاب نیم روز کی طرح روشن وتابناک ہوگیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کو مذہب امام اعظم پر مضبوطی سے قائم رکھے۔حق بات سننے،قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆

اہل قلم توجہ دیں!

جن حضرات نے اپنی نگارشات وتاثرات ہمیں عنایت کیے ہیں ہم ان کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں اور سبھی قلم کاروں سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ اپنے گراں قدر مضامین صاف لکھ کر ارسال فرمائیں۔کمپوز شدہ تحریر ان پیج کی فائل میں بھیجیں تو اس سے آپ کی تحریر میں غلطیوں کے امکانات کم ہوں گے۔اپنے مضامین مختصر اور چھوٹے لکھیں،جو دو تین یا چار صفحات تک محدود ہوں،زبان عام فہم استعمال کریں اور اپنی تحریر میں حوالے کا التزام کریں۔حوالہ اس طرح دیں:

آتیں:سورہ کا نام اور آیت نمبر۔

حدیث: کتاب رباب رصفحہ رحدیث نمبر رراوی کا نام۔

دیگر مواد: کتاب رمصنف رباب رصفحہ رمطبوعہ

اپنی نگارشات کے اخیر میں اپنا نام،مکمل پتہ اور رابطہ نمبر ضرور لکھیں۔

اس رسالے کے لیے شخصیات پر مضمون لکھنے اور بھیجنے سے پہلے ادارے سے رابطہ کرلیا کریں۔کیوں کہ ہر شمارے میں شخصیت پر ایک ہی مضمون شائع ہوگا۔

اطلاعاً عرض ہے کہ ماہنامہ پیغام شریعت میں ایسا مضمون شائع نہ ہوگا جو کسی رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔لہٰذا اپنا غیر مطبوعہ مضمون ہی ارسال کریں۔مہینے کی پانچویں تاریخ تک مضامین، اور دس تاریخ تک رپورٹس اور تاثرات ادارے کو موصول ہوجائیں تو ہمیں شائع کرنے میں آسانی ہوگی۔

تفصیلات کے لیے راقم الحروف کو فون کریں۔یا ای میل سے رابطہ کریں:(آفتاب مصباحی مدیر ماہنامہ پیغام شریعت)

Mobile: 09654336678

paigameshariat@gmail.com

ماحولیات

موسم باراں اور آبی وسائل کا تحفظ

از: محمد آفتاب عالم مصباحی

اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے کہ اس نے تمام موجودات، حیوانات ونباتات کو زندہ رہنے اور سرسبز وشاداب رکھنے کے لیے پانی جیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔تمام وسائل میں یہ ایک بہت ہی اہم اور بنیادی وقدرتی ذریعہ ہے۔عناصر اربعہ میں ہوا کے بعد یہی وہ نعمت ہے جس کا استعمال سب سے زیادہ کیا جاتا ہے اور یہی ہماری زندگی کی دوسری اہم ضرورت ہے۔اسی لیے ہم کہتے ہیں ''جل ہی جیون ہے'' ہاں یہی سرمایۂ زندگی اور متاع حیات ہے۔ مگر ایسا کہنا اگر شعوری طور پر ہو تو واقعی یہ انسانی کارواں کو آگے بڑھانے والا ہے نیز اس کے بغیر ہماری زندگی مفلوج ہو جاتی ہے اور اگر یہی نعرہ سر میں سر ملانے کے لیے ہوا اور لاشعوری طور پر مذکورہ جملہ ادا ہو تو یہ دکھاوا اور کم عقلی ہے۔ پھر عملی طور پر ایسا انسان اس نعمت کو بے دردی سے ضائع کرتا ہوا نظر آتا ہے! شاید ایسا اس لیے بھی ہوتا ہے کہ حضرت انسان کی یادداشت میں کہیں نہ کہیں یہ بات ہے کہ انسان کو زندگی گذارنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی رب قدیر نے اسے اتنی ہی کثیر مقدار میں ہمارے لیے پیدا فرما دیا ہے۔اور پانی بھی اسی میں سے ہے۔جی! یہ درست ہے کہ اللہ رب العزت نے اس عالم رنگ وبو میں پانی کی فراوانی رکھی ہے۔قرآن اور حدیث رسول سے یہی ثابت ہے کہ پانی پر ہی زمین کا فرش بچھایا گیا اور کائنات کا نقشہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا میں دو تہائی حصہ پانی اور ایک تہائی حصہ خشکی ہے جو بود وباش کے قابل اور ہمارے لیے سکونت پذیر ہونے کے لائق ہے۔مگر کیا یہ پانی کا دو تہائی حصہ قابل استعمال پانی کا ذخیرہ ہے؟ کیا اسے ہم پی بھی سکتے ہیں؟ نہیں! ہماری آبادی کے مقابلے تازہ، صاف وشفاف اور لائق استعمال پانی کا فیصد بہت ہی کم ہے۔صرف ۳ رفی صد پانی ہی ہماری پیاس بجھانے، ہمارے حلق کو تر کرنے اور ہمیں سیراب کرنے کے لائق ہے بقیہ پانی کا ۹۷ رفی صد حصہ سمندری پانی ہے جو کہ کھارا، نمکین اور ہمارے لیے ناقابل استعمال ہے!

اگر ہم اپنے ماضی میں جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ پیاسے کو پانی پلانا ہماری تہذیب تھی، ہماری ثقافت کا حصہ تھا۔گاؤں میں گھر کے سامنے کنواں، ہینڈ پائپ اور گھڑے رکھے جاتے تھے کہ راہ گیر اور مسافر کے ساتھ ساتھ گاؤں محلے کے باشندے اور تمام افراد اس سے استفادہ کریں اور بے روک ٹوک استعمال کریں۔اسی طرح دراوزے پر یا کھلیان اور بیٹھک کے آگے سایہ دار گھنے درخت لگائے جاتے تھے کہ اس کے سایے میں دوسرے بھی بیٹھیں اور خود بھی آرام کریں۔دھوپ کی تمازت سے بچیں۔رفتہ رفتہ یہ تمام اخلاقی اقدار اور قدیم روایات دم توڑنے لگیں ۔ یہاں بھی حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے۔کوئیں پاٹ دیئے گئے۔تالاب خشک ہو گئے، ہینڈ پائپ دروازے سے آنگن میں منتقل ہو گئے۔اس کے علاوہ دور کے شہروں کی بات کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے یہاں بھی سڑکوں کے کنارے پانی کی ٹوٹی لگی ہوتی تھی، جگہ جگہ پیاؤ لگا ہوتا تھا، چوراہے پر سبیل لگائی جاتی تھی۔مگر آج انسان تو انسان چرند وپرند، وحوش وطیور اور گھریلو جانوروں کو بھی پانی کے لالے پڑ گئے ہیں۔وہ بھی گندے نالے اور غلاظت سے پر گڑھے سے پانی پیتے ہیں۔تازہ اور صاف پانی انہیں بھی میسر نہیں ہے۔(یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے)

ان کے لیے کون سوچے گا؟ ان کی زندگی کو خطرات سے کون بچائے گا؟ جب کہ انسان اور حیوان، چرند وپرند اور پیڑ پودے سبھی کی ضرورت پانی ہے اور سبھی ایک ہی مسئلہ سے جوجھ رہے ہیں۔یہ

ہمارے لیے تشویش کا باعث ہے۔ پانی کی قلت اور اس کے تحفظ کا موضوع ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے مگر ہم ہوش کے ناخن نہیں لیتے!

ہماری قدیم طرز زندگی بتاتی ہے کہ جب جدید ذرائع اور نئی تکنیک نہیں آئی تھی تو انسان ندی نالے، تالاب جھیل اور کوئیں سے پانی حاصل کرتا تھا۔ محنت ومشقت اور جانفشانی کے بعد ایک مٹکا یا ایک گھڑا پانی نکالتا تھا۔ اس وقت انسان کو اس کی اہمیت کا اندازہ تھا، وہ خود قدر بھی کرتا تھا اور اس کا استعمال بھی بڑی احتیاط سے کرتا تھا۔ اور خویش و اقارب کو اس کی تلقین بھی کرتا رہتا تھا۔ آج کا انسان جب کسی جسمانی مشقت جھیلے بغیر محض ایک بٹن دبا کر زمین کے سینے سے ہزاروں لیٹر پانی منٹوں میں نکالنے لگا اور ''حساس نلوں'' سے اس کا استعمال کرنے لگا تو دھیرے دھیرے انسان کے ذہن ودماغ سے اس کی اہمیت ختم ہوگئی، اور کبھی اس جانب سوچتا بھی نہیں کہ کہاں سے آتا ہے یہ منوں ٹن پانی؟ اس کے استعمال میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے؟ کیا یوں ہی پانی کا چشمہ ابلتا رہے گا؟ نلوں سے پانی اترتا رہے گا؟ کیا اسے بچایا جاسکتا ہے؟ بلکہ وہ اپنی سرگرمیوں اور غیر معقول اعمال سے پانی میں آلودگی پیدا کرتا ہے۔ جب کہ صحافتی منظرنامے اور دیگر ذرائع ابلاغ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک میں ہر طرف پانی کے لیے ہاہا کار مچا ہے، مہاراشٹر میں کہرام ہے، راجستھان میں پانی کے لیے کوسوں اور میلوں کا سفر طے کیا جارہا ہے، کچھ علاقے پانی کی بوند بوند کو ترس رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہمارے رویے میں تبدیلی نہیں آتی۔ شاید اس عظیم نعمت کا احساس ہمیں اسی وقت ہوگا جب یہ چھن جائے گی! کیوں کہ احساس نعمت زوال نعمت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یا جب اس کو حاصل کرنے کے لیے موٹی رقم خرچ کی جائے گی ہمیں اسی وقت احتیاط کا فارمولہ یاد آتا ہے جب چند گھنٹوں کے لیے پانی منقطع ہوجائے یا جب ہم نے اسے خریدا ہو، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ کچھ ایسی چند احتیاطی تدابیر کریں کہ پانی کا تحفظ ہو اور آبی وسائل کو بڑھا سکیں، خاص طور پر ایسے وقت میں جب مانسون ہمارے گاؤں شہر صوبے اور ملک میں دستک دے چکا ہے کیوں کہ بارش کا پانی ہی زمین کے لیے حیات نو ہے اور اسی سے ذخیرۂ آب میں اضافہ ہوتا ہے۔

مانسون یا بارش کے پانی کو جمع کرنے اور بچانے کے لیے عموماً دو طریقے رائج ہیں

(۱) زمینی سطح پر موجود پانی کی حفاظت کرنا۔

(۲) گھر کی چھتوں پر موجود پانی کی حفاظت کرنا یا بچانا۔

بارش کے پانی کو جمع کرنے کا مقصد اسے قابل استعمال بنانا ہے نہ کہ ضائع ہونے دینا یہ جمع شدہ پانی مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہوسکتے ہیں مثلاً باغبانی سینچائی وغیرہ۔

(۱) زمینی پانی کو ضائع ہونے سے بچانا!

شہری علاقوں میں بارش کا پانی یوں ہی بے کار وضائع ہوجاتا ہے جب کہ اس قدرتی دولت کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے جدید آلات اور طریقۂ کار کے ذریعے اسے قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے۔

چھتوں کا پانی بچانا:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بارش کا پانی گرتا ہے اس کے ذخیرہ اندوزی کا کوئی انتظام کریں۔ مانسون کے ایام میں گھر کی چھت پر پانی کا اچھا خاصہ حصہ جمع ہوتا ہے۔ اب اس کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے نیچے ٹینک رکھا جائے یا کوئی دیگر مصنوعی طریقہ اپنایا جاسکتا ہے یہ طریقہ نہایت مفید ہے اور کم خرچ میں فراہم کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر مناسب طریقہ سے اس کا اہتمام کیا جائے تو علاقہ کے زمینی سطح آب کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

یہ مذکورہ بالا باتیں غیر جمع شدہ پانی کے بارے میں تھیں۔ اب میری ناقص فہم میں چند ایسے تدابیر ہیں جن کے ذریعہ ہم گھر میں محفوظ پانی کو بچاسکتے ہیں پانی کی قلت کے مسائل سے بچ سکتے ہیں اور آئندہ کے لیے اسے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اور ہمیں ہی کرنا ہوگا کیوں کہ ہم ہی اس کے تئیں ذمہ دار ہیں۔

(۱) صبح مسواک یا برش کرتے وقت نل کو کھولے نہ رکھیں

(۲) غسل خانے اور بیت الخلا میں پانی کم بہائیں

(۳) ہلکے بہاؤ والے جھرنے کا استعمال کریں

(۴) نل اور ٹوٹی کو اچھی طرح بند رکھیں
(۵) پانی کے رساؤ کو روکیں (۶) پودے اور گھاس اگائیں
(۷) اپنے قدرتی وطبعی ماحول کے تئیں آگاہی وبیداری لائیں۔
(۸) رفاہ عام کے لیے لگے نلوں اور ٹوٹیوں نیز بیت الخلا اور حمام میں پانی ضائع ہونے سے بچائیں۔

ہر سال ہم ۵/جون کو ''یوم ماحولیات'' مناتے ہیں اسی طرح ۲۲/مارچ کو ''عالمی یوم آب'' کا انعقاد کرتے ہیں ۔ اس دن ہم قدرتی وسائل کا صحیح استعمال کرنے اور اپنے ماحول کے تحفظ کی فکر کرتے ہیں اور تازہ پانی کی افادیت اور اس کے تحفظ پر غور وفکر کرتے ہیں ۔مگر پھر بھی ہمارے اندر رتی بھر تبدیلی نہیں آتی، ہمارا رویہ نہیں بدلتا، بلکہ اس اہم ترین قدرتی سرمایہ کو بے دریغ ضائع کرتے رہتے ہیں اور ہماری پیشانی پر شکن نہیں آتا۔اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں پانی کے تحفظ کرنے اور پانی کو آلودہ کرنے اور اس کے استعمال میں اسراف سے بچنے کی تعلیم دی اور آج بھی موقع بموقع مذہبی رہبر اور دینی پیشوا اس جانب ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں ۔مگر ان کی صدا صدا بصحرا ابن کر رہ جاتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں، اس نعمت کی اہمیت کو سمجھیں۔ابھی سے اس پر قابو پانے کی کوشش کریں ورنہ سوچیں جب زمین سے پانی نکلنا بند ہوجائے گا اور ہم خرید کر پانی حاصل کریں گے تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ ہماری زندگی کس قدر کٹھن اور دشوار ہوگی۔ اس لیے آج ہی فکر کریں، منصوبہ بندی کریں۔کل کے بارے میں سوچیں۔اس عظیم نعمت اور قدرتی وسائل کی قدر کریں ورنہ حکومتیں اور سرکاری ادارے اس جانب غور کرنے پر مجبور ہوں گے کہ وہ ہماری اس بے راہ روی کو لگام دیں اور پانی کا ٹیکس وصول کریں۔ ہم مسلمانوں کی زیادہ ذمہ داری بنتی ہے کہ کیوں کہ ہم ہی خیر امت ہیں ۔اور ہمیں دوسروں کے لیے لائق تقلید بننا ہے۔آیئے پھر ہم عہد کریں کہ ہم امت محمدیہ ہونے کے ناطے پانی کے متعلق اسلامی پیغام پر ہمارا عمل رہا ہے اور رہے گا۔ اور قدرتی وسائل میں رخنہ ڈالنا ہمارا کام نہیں بلکہ ہم اس کا تحفظ کرنے والے ہیں۔☆

عرس فقیہ اعظم اور جشن دستار فضیلت

ہر سال کی طرح اس سال بھی فقیہ اعظم ہند حضور صدرالشریعہ (مصنف بہار شریعت) قدس سرہ العزیز کا سترواں (۷۰)''عرس مقدس''نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ مورخہ:۔یکم و ۲/ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/مطابق ۶/۵/اگست ۲۰۱۶ء بروز جمعہ وسنیچر منعقد ہو رہا ہے جس کی سرپرستی پیر طریقت محدث کبیر حضور سلطان الاساتذہ علامہ الحاج مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ امجدیہ، گھوسی فرمائیں گے۔

جس میں ملک وبیرون ملک کے علمائے کرام ومشائخ عظام وشعرا حضرات، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کریں گے۔ برادرانِ اسلام سے شرکت کی استدعا ہے۔ پروگرام درج ذیل نظام الاوقات کے تحت منعقد ہوگا۔

پروگرام

۵/اگست ۲۰۱۶ء بروز جمعہ: بعد نماز عشا تقاریر علما کرام
۶/اگست ۲۰۱۶ء بروز سنیچر: بعد نماز فجر، قرآن خوانی
۶/اگست ۲۰۱۶ء بروز سنیچر: ۳/بجے دن، جلوس چادر
۶/اگست ۲۰۱۶ء بروز سنیچر: بعد نماز عشا جلسہ ورسم دستار تحقیق فی الفقہ وفضیلت وحفظ وقرأت
شب میں ۱۲/بجکر ۲۶/منٹ پر قل شریف

مندرجہ بالا اطلاع مولانا علاء المصطفیٰ قادری ناظم اعلی طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو نے دی۔
زائرین اس نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔
فون 05461-222061/222046

☆☆☆

خضر راہ

اس کالم میں قارئین اور دانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

ماہ صیام میں بدر کے ستاروں کی جھرمٹ میں دو لمحے

از زائر بدر: غلام مصطفیٰ رضوی نوری مشن مالیگاؤں

اسلام کا پہلا وہ عظیم معرکہ جس میں ہزار کفار کے مقابل ۳۱۳ بے سروسامان مجاہدین اترے ۱۷ر رمضان المبارک کو ہوا۔ کفار سامانِ ضرب وحرب سے لیس تھے اور جنگی تربیت یافتہ بھی۔ اصحاب رسول غربت وافلاس کے باوجود ایمان کی بے پناہ قوت وجذبات کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت والفت کے جوہر سے آراستہ تھے۔ عقلی اعتبار سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ کفار اس ارادے سے مکمل تیاری سے آئے تھے کہ شمع نبوت کو بجھا دیں گے۔

بدر کے میدان میں عزیمت کی وہ تاریخ مرتب کی گئی کہ جس کے دوش پر ہر اسلامی فتح کا پیغام آگے بڑھا۔ آفاق وانفس پر جو نغمۂ توحید ورسالت گونج رہا ہے بلا شبہ یہ اصحابِ بدر کے جذبۂ عشق رسول کے اظہار میں جاں نثاری کا ہی نتیجہ ہے۔ بدر کے ۳۱۳ مجاہدین نے اللہ کی مدد سے بے مثال کامیابی کی تاریخ رقم کی۔ فرشتگان الٰہی ان کی مدد کو اترے۔ حق کے فروغ کا یہ بے مثل معرکہ اخلاص وایمان کی عظیم کامیابی کا منفرد باب ہے جس کے دوش پر حق وباطل کے مابین حق کی فتح کا تمغہ جیتا جائے گا۔

ہم اپنے انہیں آثار کی تلاش میں ۱۶ر رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ کی صبح بدر کے مقام جا پہنچے۔ عالم تصور میں آج بھی محسوس ہو رہا ہے جیسے ابھی معرکہ جاری ہے۔ جذبہ ایمانی سے سرشار اصحاب رسول کی سنانیں، شمشیریں باطل کی تیز وتند یلغار کو پامال کر رہی ہیں۔ وادی بدر میں نصرت وکامرانی کی مشکبار فضا آج بھی دھڑکتے قلب کے ساتھ محسوس کی جا سکتی ہے۔

دین متین کا گلستاں یوں ہی نہیں لہلہایا ہے، اسلام کی تابشیں بدر کے آفتابوں کے ایثار کا نتیجہ ہیں۔ ۱۷ر رمضان المبارک کو وقوع پذیر یہ معرکہ ہماری تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے۔ ہماری تاریخ کا سب سے روشن باب ہے بدر۔

دھڑکتے دل کے ساتھ ہم اپنے آثار کی جانب رواں دواں ہیں۔ مدینہ منورہ سے ہم نے سفر کا آغاز کیا۔ طویل راہ طے کرنے کے بعد جبل ملائکہ پہنچے جہاں بلبل سدرہ حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام سپاہ ملائکہ کے ساتھ حمایت اصحاب بدر کو اترے۔ پہاڑوں سے گھری وادی جلالت کا احساس دلا رہی تھی۔ کچھ آگے بڑھے تو میدان بدر سامنے تھا۔ اس وادی نے فتح ونصرت کے وہ پھریرے لہرائے کہ آج بھی اصحابِ بدر کی تعلیمات پر عمل آوری سے ہر معرکہ حق وباطل میں حق کی فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن ضروری ہے:

مقام بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی (اقبال)

یہاں ہم نے اصحاب بدر کے مزارات پر حاضری دی۔ جن کی شہادت حق کی علامت بن چکی ہے، ان کے مزارات کو ڈھیریوں میں بدل دیا گیا ہے۔ حیات میں کفار مکہ نے ظلم ڈھایا، بعد شہادت کلمہ گویوں نے (بیسویں صدی میں) اصحاب بدر کے مدفن پر بلڈوزر چلوا کر کیا پیغام دیا! اس مقام پر آنکھیں چھلک پڑیں تو اسے اصحاب کرام سے محبت ہی کہیے۔ اپنی تاریخ کھدیڑنے کا یہ عمل کسی قوم میں نہیں

بتا سکتے۔قومیں ویرانے دریافت کر کے تاریخی آثار محفوظ کر رہی ہیں۔جن کی تاریخی اہمیت نہیں وہ اپنے آثار کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔جن کی تاریخ آئیڈیل اور نمونۂ جہاں بانی ہے وہ اپنے ہی تاریخی مقامات مسخ کریں یہ المیہ ہے۔عالی شان تعمیرات اور حرمین کی توسیعات سے بدر کی تاراجی کے جرائم پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ترکوں نے اسلامی تاریخی آثار کو چن چن کر محفوظ کیا تھا۔آج معاملہ برعکس ہے۔

ہم نے فاتحہ خوانی کی۔محفل ایصال ثواب منعقد کی۔مفتی حفیظ اللہ نعیمی نے رقت انگیز دعا کی۔آنسوؤں کے ہجوم میں اسلام کے محسنوں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔اس موقع پر مولانا یامین قادری۔قاری زین العابدین،شہباز اختر رضوی نیز دیگر دس بارہ افراد موجود تھے۔

عقیدت کی جبیں ان ڈھیروں کو بوسہ دیتی ہے،جس کے دامن میں شہیدانِ وفا آرام کر رہے ہیں۔اسلامی تاریخ کے سیکڑوں گوشے بدر کی وادی میں وا ہوتے گئے۔آج یہود و نصاریٰ کی پیروی نے شکست و ریخت سے دوچار کر رکھا ہے۔اسلاف کے پاکیزہ نقوش سے منھ موڑنے والے فتح و نصرت سے دور جا پڑتے ہیں۔اپنے تاریخی آثار سے ایسی کدورت یہود و نصاریٰ کی فکری غلامی کا نتیجہ ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام کی راہ پر چلائے اور مغرب کی غلامی سے بچائے!

جاں نثارانِ بدر و احد پر درود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام
(اعلیٰ حضرت)

اہل مدرسہ سے دو باتیں

محمد رکن الدین مصباحی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی
Email: ruknu786@gmail.com Mobile: 9891765225

مدارس اسلامیہ دین کے قلعے ہیں جہاں سے ہر دور میں دین و مذہب کی حفاظت کا بھرپور انتظام کیا گیا ہے۔جہاں سے دین کے عظیم الشان سپاہی تیار کیے گئے اور آج پوری دنیا میں وہ مذہب اسلام اور قوم و ملت کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔مگر موجودہ دور میں مدارس اسلامیہ کی بات کی جائے تو اس کی تعلیمی و تربیتی صورت حال ماضی سے بہتر نہیں۔اس کی مختلف وجوہات ہیں جن پر غور کرنا ہر حساس فرد اور دردمند کے لیے ضروری ہے۔موجودہ دور مادہ پرستی کا دور ہے۔ہر شخص اس کوشش میں ہے کہ کس طرح دوسرے کو پیچھے چھوڑ دے۔اس نظریہ کا بانی اگرچہ مغرب ہے لیکن ہم اپنی ناکامی کا ٹھیکرا مغرب کے سر نہیں پھوڑ سکتے۔عصر حاضر میں مدارس اپنا وقار کھو رہے ہیں۔اس کی کیا وجوہات ہیں؟اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک واقعہ یہاں ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جب مدرسے کا رخ کیا تھا اس وقت میری عمر غالباً پانچ سال کی تھی،آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آج سے بیس سال پہلے اس عمر میں کیا پختگی ہو سکتی تھی؟ میری بہن مجھے پہلی مرتبہ مدرسہ لے گئیں آپ مجھے بہت امید اور شوق کے ساتھ بغدادی قاعدہ پڑھاتی تھیں،انہیں لگتا تھا کہ میرا بھائی ابھی بہت چھوٹا ہے اس لیے اس پر سخت محنت کی ضرورت ہے۔وہ اپنے اعتبار سے مناسب سوچتی تھیں،میں نے بہت جلد بغدادی قاعدہ سے قرآن کریم تک کا سفر طے کر لیا تھا۔اس کے بعد گھر والوں کے اصرار پر گاؤں کے مدرسے میں ہی رہنے لگا۔اساتذہ کے پیار اور اپنی محنت کی وجہ سے سب کا محبوب نظر ٹھہرا،مدرسے کے افراد کافی پیار کرتے تھے،قرآن کریم کے بعد اعدادیہ میں داخلہ مل گیا۔اس میں جو قابل استاد تھے ان کا رویہ طلبا کے ساتھ ایسا تھا کہ خدا کی پناہ۔ان کا عام مشغلہ یہ تھا کہ ہم میں سے کسی ایک کو بلا کر رات رات بھر صاحب خدمت لیتے اگر کسی بچے کو نیند آجاتی تو اس کی خیر نہیں ہوتی تھی۔میرے وہ استاد جو مجھے قرآن پاک

پڑھاتے تھے، ہمیشہ کہتے رہتے تھے کہ فلاں صاحب استاد کی خدمت کی وجہ سے اس لائق ہوئے۔ چناں چہ اسے شوق ہی کہئے کہ میں استاد کی خدمت کو علم کا ایک حصہ سمجھنے لگا، لیکن صاحب پوری پوری رات خدمت، تو بہ، خدا کی پناہ۔ چند مہینے گزرنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ نہیں یہ وہ استاد ہر گز نہیں ہوسکتے جن کے بارے میں بہت ساری حکایات ہیں۔ گھر گاؤں میں ہونے کی وجہ سے رات کے دس بجے تک اسباق یاد کر کے گھر کی طرف رخ کرلیا کرتا، مولانا صاحب چند دن تک دیکھتے رہے اس کے بعد سبق سنانے کے بہانے آپ نے اپنا سارا غصہ بانس کی چھڑی کے ذریعہ نکالنا شروع کردیا۔ اس وقت میری عمر کوئی سات، آٹھ سال رہی ہوگی، ادراک وفہم کا تو نام ونشان ہی نہیں، میں عجیب کش مکش میں مبتلا تھا کہ ان سے کیسے پیچھا چھوڑاؤں؟ گھر میں بھی شکایت کرتے ڈر لگتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ گھر والے یہ کہنے لگیں کہ بہانہ کررہا ہے۔ پڑھنے سے جی چرارہا ہے۔ میں کیا کرتا؟ اس وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت پریشان رہنے لگا، میں نے پڑھائی میں اور محنت کرنی شروع کی، پھر اگر میں گھر چلا جاتا تو مولانا صاحب صبح سلام میں کسی نہ کسی بہانے میری خیریت سب کے سامنے بنادیتے۔ مجھے کافی صدمہ ہوا، ایک دن میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب ان سے مجھے نہیں پڑھنا، گھر والے کو ڈرتے ڈرتے بتایا تو والد صاحب کسی طرح تیار ہوئے کہ کوئی بات نہیں بیٹا! کسی اچھے مدرسے میں تمہارا داخلہ کروادوں گا۔ اللہ کا نام لے کر سکون کی سانس لیا کہ کسی طرح اس مصیبت سے فرصت ملی۔ اس کے بعد کئی دیگر مدارس میں دینی تعلیم حاصل کیا لیکن اس طرح کی زیادتی کا سامنا نہیں کیا۔ (البتہ چند 'مولانا' ایسے بھی ملے جنہیں آج بھی میں اپنا استاد نہیں گردانتا)

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد معاذ اللہ! کسی کی برائی یا اچھائی پر بحث کرنا نہیں ہے۔ صرف یہ بتانا ہے کہ اگر استاد واقعی ایک مربی اور مصلح بن کر بچوں کی تعلیم وتربیت پر دھیان دے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج بھی ان مدارس سے ثانی غزالی پیدا ہوں گے جو قوم ملت، معاشرہ اور ملک کا کام اسی طرح انجام دیں گے جس طرح امام غزالی نے دیا تھا۔ میرے گاؤں کے مدرسے میں چند استاد تھے، جن میں چپقلش عام بات تھی، جیسا کہ آج بڑے بڑے اداروں میں بھی ہے۔ آپسی چپقلش کو ایک عام طالب علم پر نکالا جاتا تھا کہ تم میرے شاگرد ہو تو اسے وضو کے لیے پانی کیوں لے کر دیتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔ (ذکر واقعہ میں اور بھی بہت سارے نکات پوشیدہ ہیں جسے اہل علم خود بخود سمجھ جائیں گے) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تنگ نظری کس قدر غالب ہے ان لوگوں پر جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وارث کہا ہے۔ لہٰذا آج مدارس اسلامیہ کو یہی عادات واطوار اور تنگ نظری دیمک کی طرح کھائے جارہی ہے۔ جس پر ذمہ دارانِ مدارس کو سوچنے کی ضرورت ہے۔

اگر اس طرف دھیان نہیں دیا گیا تو ان کے شاگرد بھی استاذ کی اتباع میں برسوں طالبان علوم نبویہ کا استحصال کرتے رہیں گے اور مزید یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا اور دھیرے دھیرے مدارس میں طلبا کم ہوتے جائیں گے۔ ہندوستان کے عام مدرسوں کے اساتذہ کی حالت کچھ اسی طرح ہے۔ ہاں چند لوگ ہیں جو ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں لیکن انہیں باوقار اور ذی علم وعمل لوگوں میں جو مسند تدریس پر جلوہ فگن ہیں، اپنے رعب ودبدبہ سے یا تو طلبا کو اپنے ماتحت کر لیتے ہیں یا پھر باہر کا راستہ دِکھا دیتے ہیں۔ چند باتیں اور جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہیں کہ استاد اور شاگرد کا رشتہ باپ اور بیٹے کا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے درمیان مصلحت پسندی، موقع پسندی کہاں سے آجاتی ہے؟

اب چند باتیں طالبان علوم نبویہ سے بھی۔

دوستو! میں اس بات پہ فخر کرتا ہوں کہ میں بھی کبھی مدرسے کا طالب علم تھا۔ دوران تعلیم بہت ساری باتیں عجیب لگتی تھیں، لیکن اب بہت تکلیف ہوتی ہے جب ان باتوں کو یاد کرتا ہوں کہ کاش! اس قیمتی وقت کو کسی کام میں لائے ہوتے۔ اس لیے وقت کی پابندی طالب علم کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ ماہنامہ جب آپ پڑھ رہے ہوں گے اس وقت آپ اپنے مادر علمی کے لیے رخت سفر باندھ رہے ہوں گے یا نکل چکے ہوں گے۔ یا پھر تعلیم کا آغاز ہو چکا ہوگا۔ مادر علمی کی طرف رخت سفر باندھنے سے پہلے اپنا محاسبہ کریں کہ ہم وہاں کیوں جارہے ہیں؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمیں کیا حاصل کرنا ہے؟ کیا والدین کا وہ چہرہ ہماری نظروں کے سامنے ہے جو آپ کے لیے چین وسکون ترک کر

کے زادراہ کے لیے فکر مند ہیں؟ کیا قوم مسلم کی پس ماندگی، اور اس کا حل ہماری نگاہوں کے سامنے ہے؟ جبرئیل علیہ السلام ہمارے راستے میں اپنے پر کو بچھا رہے ہیں، ہمیں اس کا پاس ولحاظ ہے؟ سب سے بڑی ذمہ داری دین وایمان کا تحفظ ہے، اس تعلق سے آپ کیا سوچتے ہیں؟ دشمنان دین وملت مذہب کے نام پر شب خون مار رہے ہیں، اس حوالے سے آپ نے کیا لائحہ عمل تیار کیا ہے؟ ان تمام سوالوں پہ سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

آپ تمام لوگوں کے کاندھوں پر پوری قوم مسلم کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے اپنے مقاصد کو اولیت دیں۔ کچھ مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کیجیے۔ آپ کی دل چسپی جن علوم میں ہے انہیں ہی حاصل کیجیے۔ جدید علوم پر دسترس کے لیے اپنے اساتذہ سے مدد لیجیے، ان سے ممکن نہیں تو اس میدان میں ماہر افراد کی خدمت لیجیے۔ اور ان علوم سے عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کا کام کیجیے۔

آج کل مدارس اسلامیہ کے طالب علم سوشل سائٹس (Social Sites) پر بہت متحرک ہیں، مگر وہ بے راہ روی کے شکار ہیں۔ ہو سکتا ہے اس فہرست میں، میں بھی ہوں، لیکن ہمیں اپنا محاسبہ کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ مثبت افکار وخیالات انسانی زندگی کے لیے بہت کارآمد شئی ہے۔ اس لیے سوشل سائٹس کو دعوت وتبلیغ کے لیے استعمال کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اپنے خیالات سے دنیا کو آگاہ کرنے کا یہ سب سے عمدہ اور تیز رفتار ذریعہ ہے اس لیے اس جانب بھی توجہ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ ایک آخری اور خاص بات یہ ہے کہ آج کل ہم جس ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں، اس کے اثرات قبول کرنا تعجب کی بات نہیں ہے، اس کے باوجود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ کیا ہم طالبان علوم نبویہ اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے لازم نہیں کر سکتے؟ تاکہ اکیسویں صدی ہماری نسل پر رشک کرے کہ یہ وارث انبیا ہیں۔ اس ضمن میں چند چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے، وہ درج ذیل ہیں۔ ۱۔ اپنے اوپر اللہ ورسول کے فرمان کو لازم کر لیں۔ ۲۔ گھر میں والدین اور دیگر ممبران کی تعظیم وتکریم بجالائیں۔

۳۔ اپنے اساتذہ کی عزت کریں خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبے سے ہو۔ ۴۔ اکابرین دین کی عزت وعظمت کو لازم سمجھیں، فروعی مسائل میں کسی اختلاف کی بنیاد پر اکابر کے خلاف زبان دراز کرنے میں احتیاط برتیں۔ ۵۔ موجودہ دور میں جماعت انتشار کا شکار ہے، اس لیے ان معاملات میں جذبات کی بجائے دانشمندی سے کام لیں تاکہ جماعتی یکجہتی کو برقرار رکھا جا سکے۔ ۶۔ ہنگامی مسائل میں اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کریں، ہمارے لیے یہی سب سے اہم آلہ ہے۔ ۷۔ جماعتی سطح پر منتشر افراد سے حسن سلوک کا برتاؤ کریں تاکہ وہ کسی اور کے دام فریب میں نہ آئیں اور جماعتی سطح پر بہتر سوچ سکیں۔ ۸۔ تنقید، شخصیت کے نکھار میں بہت ہی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے تنقید برائے تصحیح اور اصلاح زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ تنقیص وتذلیل سے سوائے تکلیف اور آپسی دوری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

(نوٹ) اس مضمون میں شامل تمام نظریات کے لیے میں خود ذمہ دار ہوں۔ اگر کسی کو کوئی اختلاف ہو تو برائے کرم ہمیں اطلاع ضرور دیں۔

اسکولی ترانہ اور آئین ہند

از: محمد حسین ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔
hussaindu21@gmail.com

ملک کے سرکاری اسکولوں میں 'ترانہ' کو لے کر کئی بار بحث کا بازار گرم ہو چکا ہے۔ ماضی میں 'وندے ماترم' کو لے کر ایک خاص مذہب کے پرستاروں کا شدت سے اصرار اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا اسی سختی سے انکار بھی سامنے آیا ہے۔ ابھی حال ہی میں بہار کے وزیر تعلیم اشوک چودھری نے بہار کے سرکاری اسکولوں کے لیے ایک نئے ترانے کا اعلان کیا ہے۔ اب بہار کے اسکولوں میں نیا ترانہ گایا

جائے گا۔'اس نئے ترانے کو مشہور نغمہ نگار ایتا بھورمانے لکھا ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

آجا پکارے، باہیں پسارے، پورب کا اُپہار ہے ،دھرموں کا سنگم ہے
گن گن جو پاوَن ہے ، یہ دیوں کا بہار ہے۔

اطلاعات کے مطابق وزیر تعلیم نے اس ترانہ پر تجاویز اور مشورے طلب کیے ہیں۔اگر اس ترانے کو بہار کے عوام نے تائید اور حمایت دی تو اسے بہار کے تمام سرکاری اسکولوں میں رائج کیا جائے گا۔اور اب سے سرکاری اسکول میں تعلیم کی شروعات اسی ترانے سے ہوگی۔اس سے قبل بہار میں جو ترانہ رائج تھا اس کے الفاظ ہیں:

تو ہی رام ہے ،تو رحیم ہے ،تو کریم ،کرشن ،خدا ہوا
تو ہے واہے گرو، تو یسوع مسیح ،ہر تی نام میں تو سما رہا

مذکورہ بالا ترانے وندے ماترم سے علاحدہ نہیں ہیں۔وندے ماترم پر مسلمانوں کا اعتراض رہا ہے کہ اس میں سرزمین وطن کو ماں بتایا گیا ہے اور اس کی عبادت کا ذکر ہے۔لیکن ابھی جو میں نے بہار کے حوالے سے جن دو ترانوں کا ذکر کیا ہے اس میں بھی تو دیوی دیوتاؤں کا ذکر ہے، پہلے ترانے میں بہار کو دیوں کی سرزمین کہا گیا۔اور دوسرے میں تمام مذاہب کو یکجا کرنے کا ذکر ہے۔مسلمان کا تو یہ ایمان ہے کہ وہ ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں تو بھلا وہ، رام، کرشن، واہے گرو اور دیگر مذہبی پیشواؤں کو خدا کی صف میں کیسے رکھ سکتے ہیں۔

اب آیئے ذرا آئین سے رجوع کرتے ہیں۔ہمارا آئین اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔آئین کی آرٹیکل ۲۸ر کی شق ۳ کو ذرا غور سے پڑھیں:

''کسی ایسے شخص پر جو کسی ایسے تعلیمی ادارے میں شریک ہو جو مملکت کا مسلمہ ہو یا جس کو مملکتی فنڈ سے امداد ملتی ہو، لازم نہ ہوگا کہ کسی ایسی مذہبی تعلیم میں حصہ لے جو ایسے ادارے میں دی جائے یا ایسی مذہبی عبادت میں شریک ہو جو ایسے ادارہ میں یا اس سے ملحقہ عمارت و اراضی میں کی جائے بجز اس کے کہ ایسے شخص نے یا اگر نابالغ ہو تو اس کے ولی نے اس کے لیے اپنی رضامندی دی ہو''۔

آئین کی اس آرٹیکل کو بغور پڑھنے کے بعد یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ اگر کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں کوئی مذہبی تعلیم دی جارہی ہے یا کوئی مذہبی عبادت ہو رہی ہے تو اگر کوئی اس میں شامل نہیں ہونا چاہتا تو اسے پابند نہیں کیا جا سکتا۔ممکن ہے اس آرٹیکل میں موجود سہولت کا فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔مجھے اپنا بچپن یاد آتا ہے کہ میں اور میرے کچھ دوست اس طرح کے ترانے میں شامل نہیں ہوتے تھے باوجودیکہ وہ پرائیوٹ اسکول تھا۔پرنسپل صاحب کے پوچھے جانے پر ہم جواب دیتے تھے کہ یہ ہاتھ جوڑ کر اس طرح ترانہ پڑھنا ہمارے مذہب میں نہیں اس لیے ہم نہیں پڑھ سکتے۔پرنسپل بھی ہمیں رخصت دے دیتے تھے۔خیر۔سردست سوال یہ ہے کہ ہمارے آئین میں مذہبی تعلیم کے لیے بھی علاحدہ ادارہ کھولنے اور اسے چلانے کی اجازت ہے۔جہاں ایک مخصوص مذہب کے لوگ اپنے مذہب کی تعلیم و تبلیغ کر سکیں۔لیکن سرکاری ادارے تو سیکولر کردار کے حامل ہوتے ہیں جیسے ملک کا کردار سیکولر ہے تو اس میں مذہب کی دخل اندازی تو ہونی ہی نہیں چاہیے۔لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ سرکاری اسکول میں سیکولر سرکار بھی سیندھ لگاتی رہی ہے۔حکومت اس طرح کے ترانے رائج کرتی ہے جس میں یا تو کسی خاص مذہب کے عقیدے کی ترجمانی ہوتی ہے یا تمام مذاہب کا معجون بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔آخر سیکولر ملک کے سرکاری اسکول میں مذہب کو لانے کی کیا ضرورت؟۔جب ہم نے سرکاری اسکول کا دروازہ ہر مذہب، ہر ذات، ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگوں کے لیے کھلا رکھا ہے تو پھر مذہب کو لانے کی کیا ضرورت۔مذہب کی بجائے علم دوستی، حب الوطنی اور انسان دوستی پر مبنی نظمیں، گیت یا ترانے سے اسکول کا آغاز ہونا چاہیے۔بہار کے جن دو اسکولی ترانوں کا ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ ایک 'ترانہ بہار' بھی ہے، جس کو ہم بہتر مثال کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔............(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

وفیات

امجد صابری کا دردناک قتل

از: محمد آفتاب عالم مصباحی

امجد صابری وہی شخص تھا جس کے دنیا بھر میں لاکھوں مداح ہیں، جس کے کلام پر آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ مگر ۱۶ر رمضان المبارک کی دوپہر کو اپنے مداحوں کو چھوڑ کر وہ یوں رخصت ہوا کہ آنکھیں آنسو بہاتی رہ گئیں۔ امجد پوری زندگی مدحت رسول، منقبت صحابہ اور ذکر اہل بیت کرتے رہے۔ اور خوش بختی دیکھیے کہ جاتے جاتے بھی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شادکام ہوئے۔ اور رو رو کر بارگاہ رسالت مآب میں اپنا خراج عقیدت پیش کیا۔

جب قبر اندھیری میں گھبراؤں گا میں تنہا
امداد میری کرنے آجانا رسول اللہ

امجد صابری کی ولادت ۲۳ر دسمبر کو لیاقت آباد کراچی میں ہوئی تھی۔ آپ عالمی شہرت یافتہ نعتیہ قوال غلام فرید صابری کے فرزند اور ان کے حقیقی وارث اور سچے جانشین تھے۔ انھوں نے اپنے والد محترم کے مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی رول ادا کیا تھا۔ ۹ر سال کی عمر ہی میں مدح نبی کا آغاز کیا تھا، اور صبح صادق سے پہلے ہی اپنے والد کے ساتھ مشق اور ریاض کیا کرتے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں جب ان کی عمر صرف ۱۲ر سال تھی پہلی بار اسٹیج پر آئے اور اپنی مسحور کن آواز، دلکش ترنم اور والد محترم کے عارفانہ وصوفیانہ کلام کی وجہ سے مقبول عام ہوئے اور غیر معمولی شہرت پائی۔ حضرت علاء الدین صابر کلیری علیہ الرحمہ کلیر شریف (روڑکی، اتراکھنڈ) کی نسبت سے خود کو صابری لکھنے لگے۔ ۲۲ر جون ۲۰۱۶ء بروز بدھ، سحری کے وقت انھوں نے ایک مجمع میں اپنی زندگی کی آخری نعت کچھ اس انداز سے پڑھی تھی کہ دل روضۂ رسول کی جالی کو چومنے کے لیے مضطرب ہو گیا تھا، قبر کی منزل یاد آ گئی تھی، آنکھیں بہہ رہی تھیں، ہر انسان اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہو رہا تھا۔ خود بھی رو رہے تھے اور ناظرین وسامعین بھی جذباتی ہو گئے تھے۔ صبح نمودار ہوئی، دن چڑھا، دوپہر کے وقت خبر گشت کرنے لگی کہ کراچی کے مصروف ترین علاقے لیاقت آباد میں دو نامعلوم مسلح افراد نے فنکار امجد صابری کو ہدف بنا کر قتل کر دیا۔ یہ خبر اس قدر اندوہناک اور غم ناک تھی کہ جس نے بھی سنا دل مضطر کو تھام تھام لیا۔ ان کے مداحوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ سب دم بخود رہ گئے! کیوں کہ یہ عام نعت خواں نہیں تھے بلکہ ایسے مداح رسول تھے جن کی آواز میں بلا کی نغمگی اور دلکشی تھی، عشق رسول میں غرق اور محبت صحابہ میں ڈوب کر پڑھتے تھے۔ ان کی یہ ادا طالبان اور ان کے ہم نواؤں کو شاید پسند نہ آئی یا انھیں کوئی شرک کا پہلو نظر آ گیا، کہ گھات لگا کر ان کی جان لے لی۔

دہشت گردوں کے مذہبی نظریات کے مطابق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی لائق گردن زدنی ہے، اور ''بھر دے جھولی میری یا محمد'' تو ان کے نزدیک کھلا ہوا شرک ہے۔ اور ہر وہ شخص واجب القتل ہے جو طالبانی عقائد ومعمولات کے خلاف ہے۔ امجد صابری کا جرم یہی تھا کہ وہ رسول کی نعت پڑھتے تھے۔ اہل بیت اطہار اور صحابۂ کرام کی شان میں منقبت پیش کرتے تھے۔ مگر کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ صوفیوں، خانقاہوں، اولیا والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان حرکتوں سے اسلام کی سربلندی کی خدمت انجام دے رہے ہیں جب کہ قتل وغارت گری کا بازار گرم کر کے وہ اسلام کی بنیاد کھود رہے ہیں۔ حکومت وقت کو چاہیے کہ ایسے مفسد عناصر کے خلاف سخت اقدامات کرے۔

اگر چہ امجد صابری عموماً مزامیر کے ساتھ صوفیانہ کلام پڑھتے تھے اور مزامیر کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے، اس سے اظہار برائت کے ساتھ ہماری ہمدردی امجد صابری کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ وہ سنی مسلمان تھے اور صوفیانہ کلام اور نعتیں پڑھتے تھے اور اسی وجہ سے دہشت گردوں کا نشانہ بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

تاثرات وخطوط

قارئین کرام

مکتوب مفتی محمد اسلم مصباحی چیف قاضی ادارہ شرعیہ (کرناٹک)

محبّ گرامی قدر مولانا طارق انور مصباحی کی زبانی کئی ماہ قبل ہی دہلی سے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے اجرا کی نوید صد بہار سن چکا تھا۔ پھر وہ وقت سعید بھی آ ہی گیا کہ ماہ اپریل ۲۰۱۶ء میں رسالہ کی تقریب رسم اجرا عمل میں آئی۔ اب رسالہ ملکی حدود میں برق رفتاری کے ساتھ رواں دواں ہے۔ پیغام شریعت کے بعض شمارے باصرہ نواز ہوئے۔ بحمدہ تعالیٰ مشمولات ومضامین دلچسپ اور علم افزا ہیں۔ اراکین ادارہ بھی متحرک وفعال ہیں۔ اور بہت کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

عہد حاضر میں ایک اعتدال پسند رسالہ کی اشد ضرورت تھی جو مسلمانان ہند کی صالح رہنمائی کر سکے۔ اسی درمیان یہ میگزین ایک 'مینارۂ نور' بن کر چمکا۔ اللہ تعالیٰ اس کو عروج ودوام عطا فرمائے۔ آمین

عوام وخواص کو چاہیے کہ رسالہ سے متعلق ہو کر اسے فروغ واستحکام بخشیں۔ بہت سے سنی رسائل وجرائد بے توجہی کے سبب بند ہو گئے۔ حالانکہ مسلمانوں کی ذرا سی توجہ ان رسائل کو زندۂ جاوید بنا سکتی تھی۔ قوم مسلم کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق روزانہ سو، دوسو، پانچ سو بلا ضرورت خرچ کر دیتا ہے۔ لیکن مذہبی وملی رسائل وجرائد کیلئے وہ ماہانہ دس، بیس روپے خرچ کرنے کی بھی ہمت نہیں کر پاتا۔

میری جانب سے اور چیئر مین جامعہ حضرت بلال الحاج اے امیر جان قادری، اساتذۂ جامعہ خصوصاً قاری ذوالفقار رضا نوری، مولانا ماہ زماں نوری، نور اللہ بھائی ناظم اعلیٰ اور دیگر احباب جامعہ کی جانب سے ''اراکین پیغام شریعت'' کی خدمت میں مبارکبادیوں کا تحفہ قبول ہو۔ والسلام

۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳/ مئی ۲۰۱۶ء

☆☆☆

مکتوب مولانا محمد امجد رضا علیمی

پیغام شریعت کے ارکان وانصار قابل مبارکباد ہیں

سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کی صحافتی دنیا میں ایک خوش گوار، منصوبہ بند، علمی اور فکری پیش قدمی کا نام ماہ نامہ ''پیغام شریعت'' ہے جو، اردو مارکیٹ جامع مسجد، دہلی۔۶ سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ فی الحال اس کے رنگ ڈھنگ سے لگتا ہے کہ روایتی ہے۔ لیکن اس کے مدیر محترم مولانا فیضان المصطفیٰ قادری مصباحی کے صحافتی تجربہ اور مجلس مشاورت کے ارکان مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (ممبئی) مولانا ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی اسسٹنٹ پروفیسر پریڈنسی یونیورسٹی (کولکاتا) اور مولانا کوثر امام قادری (مہراج گنج، یوپی) صاحبان کے عملی مشوروں کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مستقبل روشن ہے اور مذہبی ماہ ناموں کی عام روایتی روِش سے الگ منفرد انداز میں کام کرنے کی امید ہے۔

ہم ''پیغام شریعت'' کے مدیر وارکان کے شکر گزار ہیں کہ بڑی پابندی سے ماہ نامہ جامعہ قادریہ دار القلم کی ''برکاتی لائبریری'' میں ارسال کرتے ہیں جسے اکثر سب سے پہلے معروف عالم دین اور مصنف ومورخ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب ملاحظہ فرماتے ہیں۔ ماہ نامے کی انفرادیت کے لیے مصباحی صاحب سے بھی مشورہ کیا جا سکتا ہے کہ انھیں قدیم وجدید مذہبی صحافت کا عملی تجربہ ہے اور ملت وجماعت کی ضرورت اور مزاج کو بھی مصباحی صاحب خوب سمجھتے ہیں اور ہمارا تعلق قارئین سے ہے۔ اس لیے اس کے روشن مستقبل اور معیاری مقام وحیثیت کے لیے صرف دعا کر سکتے

ہیں۔اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی کے ساتھ جاری وساری رکھے۔آمین
لیکن ایک مشورہ ہم یہ دے ہی سکتے ہیں کہ پیغام شریعت میں لکھنے والوں کی ایک اپنی جماعت ہونی چاہئے جس کے مضامین مسلسل شائع ہوں اور منفرد موضوعات پر ہوں،البتہ علمی حلقہ اور قارئین کا خیال ضرور رکھا جائے اور دونوں طبقوں کے مزاج ومعیار کے مطابق مضامین کو جگہ دی جائے اور ساتھ ہی دینی مدارس کے بعد عصری دانش گاہوں کے اساتذہ اور طلبہ کو بھی قریب کیا جائے۔اس حوالے سے ابھی اہل سنت کا عربی رسالہ **المشاهد** لکھنو،ایک مثال ہے جس نے بڑی تیزی سے دونوں طبقات میں اپنی جگہ بنائی ہے اور عجم کے ساتھ عرب کی دنیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔نئی نسل کی ذہن سازی اور قلمی تربیت کے لیے بھی کوئی منصوبہ بنایا جاسکتا ہے اور لکھنے پڑھنے والی خواتین کو بھی نمائندگی دی جاسکتی ہے اور یہ سب کیسے ہوگا،مدیران ومشیران خوب جانتے ہیں۔
ہمارے ہم عمر وہم عصر مولانا آفتاب عالم مصباحی ماہ نامہ''پیغام شریعت'' کے معاون مدیر ہیں جو کہ ہندوستان کی عظیم مرکزی عصری دانش گاہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں زیر تعلیم ہیں اور کسی موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔انھیں بھی ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں اور سبھی ارکان وانصار کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت کے مزاج ومنہاج اور موضوعات ومفادات کو عام کرنے اور عصری تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی ایک ضرورت کو پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

محمد امجد رضا علیمی،خادم جامعہ قادریہ دارالقلم،ذاکر نگر،نئی دہلی۔۲۵
011-26986872,9718872604

مکتوب مولانا محمد مبشر حسن برر مصباحی

محترمی مولانا آفتاب عالم مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
فکری وعلمی حلقوں اور سوشل میڈیا میں،ماہنامہ پیغام شریعت،کے معرض وجود میں آنے کی خبر جیسے پھیلی لوگوں نے اسے خوب سراہا،ہر طرف سے اس کی پذیرائی ہوئی اور ان کی پوری ٹیم کو بالخصوص مدیر اعلیٰ مولانا فیضان المصطفی قادری اور معاون مدیر مولانا آفتاب عالم مصباحی کو جہاں نوجوان علما،اسکالرس اور مشائخ عظام نے قیمتی تشجیعی کلمات سے نوازا وہیں پر قوم کے احساس مند علما اور مؤقر اسکالرس نے اسے اپنی میزوں کی زینت بنایا آپس میں اس کا خوب چرچا کیا۔چونکہ مدیر اعلیٰ کا تعلق ہندوستان کے مشہور خانوادے امجدیہ صدرالشریعہ سے ہے جن کی دینی وملی خدمات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن خیالات کی دہلیز پر یہ بات بار بار آئی کہ یہ رسالہ روایتی ہوگا یا فقہی مسائل اور مختلف فتوؤں کا مجموعہ۔لیکن تین شمارے آنے کے بعد بحمدہ اللہ تعالیٰ گلستان خیال کی کلیاں لہلہا اٹھیں،پوری فضا خوشبوؤں کی مہک سے مشکبار ہوگئی،سبھی کے دلوں کی عطر ریزی کی اور ذہن دماغ کو راحت بخشا کہ''پیغام شریعت'' روایتی انداز واسلوب سے ہٹ کر اپنے مختلف جہات دینی وعصری مضامین کے ذریعہ اپنی منفرد شناخت قائم کرنے کی کوشش میں ہے۔ماشاء اللہ کالمس کی ترتیب وانتخاب خوب تر ہے،وفیات،کا کالم قابل تعریف اور ایک نیا اضافہ ہے۔یہاں پر میں ایک مشورہ دونگا کہ مضمون نگار کے نام کے ساتھ رابطہ کا پتہ اور موبائل نمبر بھی لکھیں تو اچھا ہوگا نیز فہرست میں مضامین کو کالمس کے ساتھ لکھیں تو حسن میں بالیدگی پیدا ہوجائے گی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پیغام شریعت کے سبھی ارکان وممبران اور اس کی پوری ٹیم کے قابل قدر جذبات کو سلامت رکھے،اس کے ذریعہ دین صحیح اور دعوت حقہ کی اشاعت عام کرے اور اسے تمام حلقوں میں شرف قبولیت حاصل ہو۔

محمد مبشر حسن چیف ایڈیٹر ششماہی الہادی نیپال
واسکالر جواھر لال نہرو یونیورسٹی،نئی دھلی
موبائل نمبر 8010322239-9871958169
E-mail:mhbarar@gmail.com

مکتوب محمد یونس عالم

محبّ گرامی جناب آفتاب عالم مصباحی تحیۃ وسلاماً
آج مورخہ ۱۱/جون ۲۰۱۶ء کو رسالہ''پیغام شریعت'' دستیاب

ہوا، امید ہے کہ مختلف مضامین پر مشتمل یہ رسالہ عوام الناس کے لیے نفع بخش ہوگا۔ مضامین دور حاضر کے مسائل سے کافی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ وہ مضامین ہیں جن کو عام طور پر اردو رسالے خاص کر مذہبی رسالے قلمبند کرنے سے کتراتے ہیں۔ بہر حال، مطالعہ کے دوران ذہن میں کچھ باتیں پیدا ہوئیں، وہ یہ کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ خاص کر نسل جدید جو کالجوں اور یونیورسیٹیوں اور دیگر غیر دینی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اردو زبان سے یا تو بالکل ہی نا آشنا ہیں یا پھر کم جانتے ہیں جو کما حقہ اس طرح کے مضامین سے مستفید نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور چونکہ یہ پیغام ان تک بھی پہنچانا ضروری ہے۔ تو اگر کچھ ضروری مضامین دو زبان (bilingual) میں ہوتا تو بہتر ہوتا۔

دوسری بات، یہ ہے کہ ''زکوٰۃ سے متعلق شرعی مسائل'' کے مطالعے کے دوران میری نگاہ کچھ محل نظر پر رک جاتی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کمپنی میں بغرض منافع انوسٹ کیا تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جہاں تک فقہائے کرام کا نظریہ ہے کہ اگر کمپنی میں انوسٹ بغرض تجارت یعنی کمپنی ہی کو خرید تا ہو یا فروخت کرتا ہو تو اس صورت میں اس انوسٹمنٹ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر اس نے کمپنی میں انوسٹ صرف کمپنی سے نفع کمانے کے لیے کیا ہو تو اس صورت میں ایسے انوسٹمنٹ پر زکوٰۃ نہیں اس منافع پر ہے جو کمپنی سے حاصل کیا ہو۔ مثلاً اگر کسی نے زمین کاشتکاری کے لیے خریدا، تو نفس زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ زمین سے ہونے والے پیداوار پر ہے،

تو مکرمی میرے اس حقیر مشورے پر غور کیجیے اور مسئلے کے بارے میں انشراح صدر کیجیے۔ شکریہ۔

محمد یونس عالم، جھیلم ہاسٹل، روم نمبر ۱۱۲، جے، این، یو، نئی دہلی۔

﴿ادارتی نوٹ﴾ آپ کے گراں قدر تاثرات کے ہم ممنون ہیں۔ Bilingual مضامین شائع کرنے کے تعلق سے آپ کا مشورہ بہت مفید اور قیمتی ہے، لیکن آپ نے واضح نہ کیا کہ دوسری زبان ہندی ہونی چاہیے یا انگلش؟۔ ویسے یہ سب کچھ ہمارے منصوبے میں شامل ہے۔ بس دعا فرمائیں اور اسی طرح اپنا فیڈ بیک دیتے رہیں۔ ہاں زکاۃ کے تعلق سے جو مقام آپ کے لیے محل نظر ہے اس مقام کی تعیین تو فرماتے، کس شمارے میں کس صفحہ پر کون سا مسئلہ، تا کہ مفتیان کرام سے اس کی توضیح طلب کی جاتی۔ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی صورتیں بھی تفصیل طلب ہیں۔

صفحہ ۳۵ کا بقیہ

مذہب ظاہریہ کا خاتمہ:

(۱) مؤرخ ابن خلدون (۷۳۲ھ-۸۰۸ھ) نے لکھا کہ اب ظاہری ائمہ ختم ہوگئے تو یہ مذہب بھی ختم ہوگیا، اب وہ مذہب صرف کتابوں میں باقی رہ گیا ہے۔ (ملخصاً مقدمۃ ابن خلدون ص ۲۸۳)

حیرت ہے کہ ایسے فرقے کی تکفیر نہ کرنے کے بارے میں اعلامیہ جاری کرنا جس کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں آخر کیا معنی رکھتا ہے؟۔ ہاں موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین فرقہ ظاہریہ کے طریقے پر ہیں۔ یہی لوگ ''سلفی'' اور ''وہابی'' کے ناموں سے متعارف ہیں۔ یہ لوگ ابن عبد الوہاب نجدی کے متبع و پیرو کار ہیں۔ غیر مقلدین قیاس کے منکر ہیں جیسا کہ ظاہریہ قیاس کے منکر ہیں۔ جس طرح ظاہریہ بلاقوت اجتہاد، استنباط مسائل کی کوشش کرتے ہیں وہی طریقہ کار غیر مقلدین کا بھی ہے۔



ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ پیغام شریعت مکان نمبر ۴۲۲ دوسری منزل گلی سروتے والی مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶۔

آفس کا فون نمبر 0111123260749

موبائل نمبر محمد قاسم القادری 9911062519

موبائل نمبر محمد آفتاب عالم 9654336678

Email.paighameshariat@gmail.com